خیالاتِ اِروِنگ

یعنی

واشنگٹن ارونگ کے چند مضامین کا با محاورہ ترجمہ

از

جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہاؔ بی اے، ایل ایل بی وکیل

مترجم شاعرانہ خیالات و تاریخ مغربی یورپ
و مؤلف سیر المصنفین

جس کو

منیجر دار الاشاعت غازی آباد

نے

جامعہ ملیہ پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

بار اول — ۱۹۲۸ء — ایکہزار

فہرست مضامین



نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب **بوستاں** میں وجہ تصنیف یہ ظاہر کی ہے کہ مجھے خالی ہاتھ اپنے دوستوں میں سیر و سیاحت کے بعد جانا اچھا نہ معلوم ہوا اور مجھے شرم آئی کہ میں اُنکے لئے کوئی تحفہ نہ لے جاؤں۔ چنانچہ میں نے یہ کتاب تصنیف کی اور میں اسکو ارمغاں کے طور پر پیش کرتا ہوں اگرچہ **واشنگٹن ارونگ** نے اپنی کتاب اسکیچ بک کا سبب تصنیف شیخ کی طرح تحفہ احباب بیان نہیں کیا لیکن حقیقتہً یہ امریکہ اور یورپ کے لئے ایک ہدیہ تھا جو **ارونگ** نے اپنی سیر و سیاحت کے بعد پیش کیا۔ اور وہ بھی اپنی کتاب کو اپنے دوستوں کی ضیافت طبع کا سامان سمجھتا ہے۔ شیخ نے اپنی کتاب بوستاں میں صرف اپنے ہی تجربہ اور خود دیکھی ہوئی

چیزوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ اکثر حصہ سنی ہوئی باتوں پر مشتمل ہے۔ برخلاف اسکے اسکیچ بک ارونگ کے چشم دید واقعات و حالات پر مبنی ہے اور اسمیں "دیدم" کے سوا "شنیدم" کا ذکر نہیں۔

اسکیچ بک، ارونگ کی مقبول ترین کتاب ہے۔ اس میں مختلف مضامین ہیں اور نہایت خوبی کیساتھ لکھے گئے ہیں۔ مجھے اپنے زمانہ طالب علمی میں اس کتاب کے بعض مضامین پڑھنے کا اتفاق ہوا چونکہ دلچسپ اور مفید مضامین تھے اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ ان میں سے بعض مضامین کا ترجمہ اردو میں شائع کیا جائے چنانچہ علیگڑھ منتھلی علیگڑھ، زمانہ کانپور اور ادیب الہ آباد میں اُن مضامین کا ترجمہ اس مجموعہ میں شائع کئے جاتے ہیں چھپا اور لوگوں نے اُن ترجموں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گزشتہ دو تین ماہ سے میرے دل میں یہ خیال موجزن تھا کہ اُن مضامین کے ترجموں کو جو مختلف رسائل میں بند پڑے ہیں ایک علیحدہ کتاب میں جمع کرکے شائع کر دوں تاکہ اردو داں پبلک کی تفریح طبع ہو سکے اور اُن ترجموں کو بھی تازہ ہوا مل جائے۔ بس میں نے انکو جمع کیا اور اُن میں "مصنف کے خود نوشت حالات" اور "امریکہ انگریز مصنفین کے زاویۂ نگاہ سے" اضافہ کیا۔ مصنف کے حالات زندگی بھی ترجمہ کئے اور کچھ اُس میں مصنف کے اسلوب بیان کے متعلق اپنی طرف سے بھی بڑھایا۔ اس مختصر کتاب کا نام خیالات ارونگ رکھا گیا اور مجھے امید ہے کہ پبلک اسکو قدردانی کی نظر سے دیکھیگی

غازی آباد۔ ۵ فروری ۱۹۲۸ء

محمد یحییٰ تنہا

حالاتِ ارونگ

واشنگٹن ارونگ بمقام نیو یارک ۳ راپریل ۱۷۸۳ء کو پیدا ہوا وہ ایک خوش حال سوداگر کا بیٹا تھا جو خود بھی پکا محب وطن تھا۔ ارونگ نے اسکول کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ سولہ برس کی عمر میں اس سے فارغ ہوا اور کالج میں داخل ہونے سے انکار کیا۔ البتہ خود انگریزی علم ادب پڑھتا رہا اور سایہ دار رستوں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر چکر لگاتا رہا۔ وہ ایک قانونی دفتر میں داخل ہو گیا اور علم ادب کا مطالعہ بھی کرتا رہا۔ وہ ملنسار تھا۔ اسلئے لوگوں سے خوب ملتا جلتا رہا۔

۱۸۰۴ء میں وہ یورپ کی سیر و سیاحت کے لئے روانہ ہوا۔ اگرچہ وہ صحت بخش آب و ہوا کی غرض سے گیا تھا لیکن اس نے خوشی اور عقلی منافع بھی حاصل کئے۔ وہ ایک پیدائشی سیاح اور مطالعہ کرنے والا تھا۔

وہ فرانس، اٹلی اور انگلستان گیا۔ وہ قدیم دنیا کی خوبیوں کا شائق تھا ۱۸۰۶ء میں وہ نیو یارک واپس آگیا۔ ۱۸۰۹ء میں اس نے تاریخ نیو یارک شائع کی جس کی بیحد تعریف ہوئی۔ دو سال بعد ارونگ جو اتبک تصنیف کو ایک پیشہ کی حیثیت سے اختیار کرنے میں متامل تھا اپنے بھائی کی تجارت میں شریک ہو گیا اور اسکا بہت مصیبت زدہ زمانہ شروع ہو گیا۔

۱۸۱۵ء میں وہ اپنی دوکان کی وجہ سے انگلستان گیا اور لورپول میں رہنے لگا۔ ۱۸۱۸ء میں اس کی دوکان بند ہوگئی اور ارونگ ایک مصنف کے پیشہ کو اختیار کرنے کیلئے مجبور ہوا چنانچہ نیویارک سے اگلے سال اسکیچ بک شائع ہوئی۔

تمام باتوں کو مدنظر رکھکر اسکیچ بک ارونگ کی اہم اور خاص کتاب ہے۔ ارونگ کے یہ الفاظ کہ "مجھ میں یہ خوبی ہے کہ میں دوسروں کی تقلید کرنے کی بجائے خود اپنا انداز بیان رکھتا ہوں" اس انکسار اور واقعیت اور واقعیت کیساتھ لکھے گئے تھے جو اسکا جوہر تھا۔ اس کتاب کے شائع ہونے پر انگلستان، امریکہ کی وقعت کرنے لگا۔ ایڈنبرا ریویو میں سڈنی اسمتھ نے ایک سال پہلے لکھا تھا کہ نو دامریکہ کا علم ادب کچھ نہیں ہے ۱۸۲۶ء میں وہ میڈرڈ گیا تاکہ کولمبس کی سوانحعمری لکھے۔ وہ اسپین میں ۱۸۲۹ء تک رہا اس نے الحمرا کے قصائص اور فتح غرناطہ لکھی سترہ برس کی غیر حاضری کے بعد ۱۸۳۲ء میں ارونگ نیویارک واپس آیا دریائے ہڈسن پر اس نے ایک چھوٹا مکان خرلیا یہاں اس نے ایٹس فورڈ اور نیو اسٹینڈ اسپیچ کی یادگار لکھی اسپین کی فتوحات کے قصے، اسٹوریا اور کیپٹن بونویل تحریر کئے۔

۱۸۴۲ء میں وہ سفیر ہوکر اسپین گیا اور ساڑھے چار برس باہر رہا جسکی وجہ سے حیات واشنگٹن کی تحریر میں رکاوٹ رہی ۱۸۴۹ء میں اس نے

رسول مقبول صلعم اور انکے جانشینوں کے حالاتِ زندگی اور حیات گولڈ اسمتھ لکھی ۔ ۱۸۵۵ء میں حیات واشنگٹن چھپی۔ اسکا ارادہ تاریخ میکسیکو لکھنے کا تھا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ پریسکاٹ ایسی کتاب لکھنی چاہتا ہے تو اس نے باوجود اس کے کہ بہت سا مواد فراہم کر لیا تھا فیاضی کے ساتھ ایک نوجوان اور گمنام مصنف کو دیدیا اور اُس کے رستہ میں حائل نہ ہوا۔ وہ ۱۸۵۹ء میں انتقال کر گیا۔

اُس کی ہجو میں بدمزگی کی بو نہ تھی اور اس کی ظرافت میں کوئی ڈنک نہ تھا۔ اُسکا چال چلن اچھا تھا اور ملامت سے بلند تھا تھیکرے اس کو کہا کرتا تھا "پہلا سفیر جس کو نئی دنیائے ادب نے قدیم دنیا میں بھیجا"

واشنگٹن ارونگ دنیا کے اکثر اعلیٰ مصنفین میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کی خوبیاں اسکی اصل انگریزی کتابیں پڑھنے ہی سے ظاہر ہو سکتی ہیں تاہم ترجمہ سے بھی اردو داں اصحاب یہ اندازہ کر سکیں گے کہ وہ بڑے سے بڑے مضمون کو ظرافت کے پیرایہ میں نہایت خوش اسلوبی سے بیان کر جاتا ہے اور اس کے اپنے انداز بیان میں وہ کشش ہے کہ ناظرین اُسکو ناول کی دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس کے خیالات دل میں کالنقش فی الحجر بن جاتے ہیں۔

وہ اپنے مضامین کو عالمانہ اور فلسفیانہ انداز سے نہیں لکھتا لیکن اُن میں

وہ سب باتیں بیان کرجاتا ہے جو فلسفیانہ عمق اور عالمانہ عبور کیلئے ضروری ہیں۔ وہ ظرافت کے ساتھ ساتھ متانت کو بھی پیش نظر رکھتا ہے اور جب متین عبارت لکھتا ہے تو نہایت صاف اور واضح اور عام فہم لکھتا ہے۔ اُسکی تشبیہات معمولی اور روزانہ زندگی کے مناظر میں سے ہوتی ہیں لیکن نہایت مؤثر۔ شاندار نہیں ہوتیں لیکن عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ اُس کے نتائج بہت خوب ہوتے ہیں اور معاشی زندگی کے لئے کارآمد ہیں۔



مصنف کے خود نوشت حالات

مجھے ہومر کے اس خیال سے اتفاق ہے کہ جس طرح سانپ اینڑ ہیٹ سے نکل کر جلد ایک زہریلا مینڈک بن گیا اور ایسا مجبور رہوا کہ اپنی نشست کے لئے ایک اسٹول بنائے اسی طرح ایک سیاح جو اپنے ملک سے باہر جاتا ہے ایسی عظیم الشان شکل میں تبدیل ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی طرز ماندو بود کو بدلنے کے لئے مجبور رہوتا ہے اور اُس مکان میں زندگی بسر کرتا ہے جہاں کہ اُسے رہنا چاہیئے نہ یہ کہ جہاں وہ رہنا پسند کرتا۔

للی کی پوفیوز

میں نئے مقامات پر جانے اور عجیب اشخاص اور طریقوں کے دیکھنے کا ہمیشہ سے شایق تھا میں ابھی بچہ ہی تھا کہ میں نے اپنے سفر شروع کر دئیے تھے اور خاص اپنے شہر کے نامعلوم قطعات دیکھنے اور اُس کے غیر ملکی حصوں کی جانچ پڑتال کرنے کیلئے دوڑ دھوپ شروع کر دی تھی۔ اپنے والدین کے اکثر خوف اور شہر کے ڈھنڈورا پیٹنے والے کی آمدنی کے لحاظ سے میں نے اپنے شہر میں بہت سے سفر کئے تھے جب میں لڑکا ہوگیا تو میں نے اپنی سیر سیاحت کے دائرہ کو اور وسیع کر دیا۔ نواحِ شہر میں میری تعطیل کی شام اِدھر اُدھر گھومنے میں بسر

ہونے لگی اور میں نے اپنے آپ کو اُن تمام مقامات سے روشناس کرلیا جو تواریخ یا قصص میں مشہور تھے۔ میں ان تمام مقامات کو جانتا تھا جہاں قتل یا غارتگری واقع ہوئی تھی یا بھوت پریت دیکھے گئے تھے میں نے قرب وجوار کے مواضعات بھی دیکھے اور انکے رسم و رواج دیکھکر اور اُن کے سمجھدار اور بڑے اشخاص سے گفتگو کرکے میں نے اپنی واقفیت میں بھی اضافہ کیا۔ میں نے موسم گرما کے ایک بڑے دن میں ایک مرتبہ نہایت دور دراز پہاڑی کی چوٹی تک سفر کیا جہاں سے میں نے اپنی نظر اُن دیکھے ملک پر میلوں تک دوڑائی اور اُس وقت مجھے بے حد حیرت ہوئی کہ میں کسقدر وسیع کرہ پر رہتا ہوں۔

یہ سیاحی کی صفت میری عمر کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی گئی۔ بحری اور برّی سفر کی کتابیں میری خاص دلچسپی کا سامان بن گئیں اور میں اُن کے مضامین نہایت شوق سے ہضم کرنے لگا اور میں نے مدرسہ کی باقاعدہ تعلیم کی پروا نہ کی۔ میں کیسے شوق سے عمدہ موسم میں جہازوں کے گرد پھرتا تھا اور کیسی شوق بھری آنکھوں سے اُن کے کھلتے ہوئے بادبانوں کو دیکھتا تھا اور اپنے خیال کے بادبان کو زمین کے آخری سرے تک پھیلاتا تھا۔ آئندہ مطالعۂ قدرت اور غور و خوض سے، اگرچہ یہ اصولی رغبت زیادہ مناسب حدود کے اندر آگئی لیکن اسی کے ساتھ یہ زیادہ متیقن بھی ہوگئی۔ میں نے اپنے ملک کے مختلف حصوں کو دیکھا اور اگر میں صرف عمدہ نظارہ کا شایق ہوتا تو مجھے اور کچھ دیکھنے کی کبھی

خواہش نہ پیدا ہوتی کیونکہ کسی ملک میں بھی قدرت نے ہمارے ملک سے بڑھ کر خوبصورتی کو فیاضی کے ساتھ نہیں بخشا۔ ہمارے ملک کی بڑی بڑی جھیلیں صاف اور شفاف ہیں اور نقرئی معلوم ہوتی ہیں۔ پہاڑ ہیں کہ مختلف وضعوں اور رنگوں سے روشن ہیں۔ وادیاں ہیں کہ قدرتی سرسبزی سے شاداب ہیں۔ خوفناک آبشار ہیں جو خاموشی میں گرجتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔ وسیع میدان ہیں جو ہمیشہ سرسبز رہتے ہیں کشادہ اور گہرے دریا ہیں جو خاموشی کے ساتھ سمندر کی طرف بہتے رہتے ہیں جنگلات ہیں جن میں کوئی رستہ نہیں اور جہاں نباتات اپنی تمام شان کیساتھ اُگی ہوئی ہے۔ آسمان ہے جو گرمی کے سحر طراز بادلوں اور تابناک دھوپ سے روشن رہتا ہے۔ قدرتی نظارہ کی خوبصورتی اور سکوت کے لئے کسی امریکی کو اپنے ملک سے باہر جانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔

لیکن یورپ قصوں اور نظموں کی خیالی خوبیوں کا مالک تھا۔ وہاں یہ فن کمال کے درجہ پر پہونچا ہوا تھا۔ نہایت مہذب قوموں کے کارنامے تھے، قدیم اور مقامی رواج کی گزشتہ خصوصیات موجود تھیں۔ میرے اپنے ملک میں نوجوانی کی اُمنگیں تھیں لیکن یورپ عہد قدیم کے خزانوں سے مالا مال تھا۔ اسکے کھنڈر گزشتہ عہد کی تاریخ یاد دلاتے تھے اور ہر ایک ٹوٹا ھوٹا پتھر ایک تاریخ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں ان مشہور کارناموں کے نظاروں کو دیکھوں۔ اُن مقامات پر چلوں جو قدامت کے نشانِ قدم تھے۔ تباہ شدہ قلعوں کے ادھر اُدھر پھر دل۔

گرے ہوئے بُرج پر غور کروں مختصر یہ کہ موجودہ عہد کی واقعیت سے دور ہو جاؤں اور گزشتہ خیالی عظمتوں میں اپنے آپ کو فنا کر دوں۔

اسکے علاوہ میں دنیا کے بڑے اشخاص سے ملنے کا شایق تھا۔ یہ سچ ہے کہ ہمارے بڑے آدمی امریکہ میں موجود ہیں اور کوئی شہر ایسا نہیں جس میں وہ بکثرت موجود نہ ہوں۔ میں اپنے زمانہ میں ان سے ملا جلا ہوں اور اُس سایہ میں جو انہوں نے مجھپر ڈالا میں قریب قریب مُرجھا گیا ہوں کیونکہ ایک چھوٹے آدمی کیلئے اس سے زیادہ اور کوئی شے مضر نہیں جتنا کہ بڑے آدمی کا سایہ اور وہ بھی ایک ہی شہر کے بڑے آدمی کا لیکن میں یورپ کے بڑے آدمیوں کو دیکھنا چاہتا تھا کیونکہ میں نے مختلف فلسفیوں کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ تمام جانور اور آدمی امریکہ میں عدیم النسل اور کمزور ہو گئے۔ چنانچہ میرا خیال تھا کہ یورپ کا بڑا آدمی امریکہ کے بڑے آدمی سے اتنا قد آور ہو گا جتنا کہ ہڈسن کی سطح مرتفع سے الپ کی چوٹی اور میرا یہ خیال بہت سے انگریزی سیاحوں کی نسبتاً اہمیت اور بڑھتی ہوئی حیثیت کو دیکھکر پختہ ہو گیا تھا کیونکہ مجھے یقین دلایا گیا تھا کہ وہ اپنے ملک میں بہت چھوٹے آدمی تھے۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں تعجبات کی اس سرزمین کو ضرور دیکھونگا اور اُس عظیم الشان نسل کو بھی دیکھوں گا جس سے میں کمزور پیدا ہوا ہوں۔

یہ میری خوش قسمتی سمجھئے یا بدنصیبی کہ مجھے اس سیر و سیاحت کے شوق کو پورا کرنیکا موقع مل گیا۔ میں مختلف ممالک میں پھرا ہوں اور زندگی کے بہت سے

مختلف نظاروں کا مطالعہ کیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے ان کو ایک فلسفی کی غائر نظر سے دیکھا ہے نہیں بلکہ میں نے انکو اس نظر سے دیکھا ہے جس سے قدرتی خوبیوں کا ایک معمولی شائق ایک چھاپہ خانہ کی کھڑکی سے دوسری کھڑکی تک دیکھتا ہے۔ کبھی کبھی خوبصورتی کے نظارے بھی سامنے آجاتے ہیں اور کبھی کبھی بدصورت شکلیں نظر آجاتی ہیں اور اس کے بعد پھر اچھے منظر سامنے آجاتے ہیں چونکہ عہد حاضر کے سیاحوں کا طریقہ ہے کہ وہ پنسلیں لیکر سفر کرتے ہیں اور اپنے گھر بیشمار یادداشتوں کا خزانہ لاتے ہیں، میرا بھی ارادہ ہے کہ میں اپنے دوستوں کی ضیافت طبع کے لئے چند نظارے پیش کروں۔ لیکن جب میں ان اشارات اور یادداشتوں کو دیکھتا ہوں جو میں نے اس غرض سے تیار کی ہیں، میرا دل قریب قریب بیٹھ جاتا ہے، یہ دیکھکر میری بدمذاقی نے مجھے ان بڑی اشیاء سے کسقدر دور رکھا جو باقاعدہ سیاحوں کی مطمح نظر رہی ہیں جو کتابیں تحریر کرتے ہیں، مجھے خوف ہے کہ میں کسی قدرتی نظارہ کی تصویر کھینچنے میں بھی ایسا ہی ناکام ثابت ہونگا اگرچہ میں نے براعظم کی سیر کی ہے لیکن اپنے بیہودہ میلان طبع کی وجہ سے گوشوں، کونوں اور چھوٹی جگہوں کا حال لکھا ہے۔ لہذا میری کتاب جھونپڑیوں، قدرتی مناظر اور قدیم کھنڈروں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن میں نے سینٹ پیٹر کی گرجا یا کالوسیئم کی عظیم الشان عمارت یا نیپلس کی خلیج کیطرف نظر نہیں دوڑائی اور اپنے تمام مجموعہ میں کسی برفانی دریا (گلیشیر) یا آتش فشاں پہاڑ کا ذکر نہیں کیا۔

ایک شادی کا دلفریب انجام

"سمندر کے خزانہ بھی اس قدر قیمتی نہیں ہیں جس قدر کسی آدمی کی راحت و آرام کے سامان جو کسی عورت کی محبت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جب میں کسی ایسے گھر کی قریب سے جس میں میاں بیوی رہتے ہیں گزرتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی رحمتیں اور برکتیں اس گھر پر نازل ہو رہی ہیں۔ سبحان اللہ! شادی میں کیسے کیسے لطف اور مزے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ پھولوں کی سیج بھی بستر ازدواج سے زیادہ فرحت بخش نہیں ہے۔

مڈلٹن

میں نے اکثر دیکھا ہے کہ مستورات میں استقلال اس درجہ کا ہوتا ہے کہ وہ بیحد رنج و غم کی حالت کو بھی خاطر میں نہیں لاتیں مصیبتیں جو ان کا دل توڑ دیتی ہیں۔ اور اس کو خاک میں ملا دیتی ہیں اس نرم اور نازک جنس پر اپنا الٹا اثر ڈالتی ہیں بلکہ بعض اوقات تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت ایک فرشتۂ رحمت ہے جو ایسے وقت میں مرد کے دل کو ڈھارس بندھاتا ہے اور اس کی ہمت بڑھاتا ہے انسان پر اس سے زیادہ اور کیا شے اثر ڈال سکتی ہے کہ وہی نازک اور نرم مخلوق جو آسایش کے دنوں میں مرد پر بھروسہ کرنیوالی اور اس کے سہارے پر زندگی

بسر کرنے والی رہی ہو، تنگدستی میں اپنے شوہر کی غمخوار بنے، اُس کو آرام پہنچائے
اُسکو تسلّی دے اور کیسی ہی مصیبت مرد پر کیوں نہ آجائے اُس کا ساتھ نہ چھوڑے۔
جس طرح انگور کی بیل جو مدتوں تک کسی درخت کے گرد لپٹی رہی ہے اور اپنی
نازک نازک پتیوں سے جبکہ آفتاب کی روشنی اُن پر پڑتی تھی دلوں کو لُبھاتی رہی
ہے، اُس وقت بھی اُس درخت کا ساتھ نہیں چھوڑتی جبکہ اُس پر بجلی گر جاتی ہے بلکہ
اُس کی شکستہ شاخوں کو اپنے نازک ہاتھوں سے علیحدہ نہیں ہونے دیتی اور اُسکے
گرد چمٹی رہتی ہے، اسی طرح عورت بھی جو خوشحالی میں مرد کی زیب و زینت ہوتی ہے،
مصیبت کے وقت اُس کے آرام وسکون کا باعث ہوتی ہے اور جب اُس کا
دل دنیاوی رنج وغم کی وجہ سے شکستہ ہوجاتا ہے تو وہ اُس کو اپنے نازک ہاتھ
سے تسلّی دیتی ہے اور اپنی شیریں کلامی سے غم والم کو دور کر دیتی ہے۔
میں ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو جو خوشحال تھا اور جس کے گھر میں محبت
کا دور دورہ تھا یعنی اُس کے خاندان کے افراد ایک دوسرے سے نہایت محبت
رکھتے تھے، مبارکباد دے رہا تھا۔ اُس نے گرم جوشی سے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے
کہا "میں اِس سے زیادہ تمہاری خوش قسمتی نہیں سمجھتا کہ تمہاری شادی ہوجائے
اور تمہارے بال بچے ہوں۔ اگر تم خوشحال ہوگے تو وہ تمہاری خوشحالی میں شریک
ہونگے اور اگر تنگ حال ہوگے تو وہ تمہاری تنگدستی میں تمہارے غمخوار بنینگے"
واقعی میں نے بارہا امتحان کیا ہے کہ وہ آدمی جس کی شادی ہوگئی ہو اگر

بدقسمتی سے تباہ حال ہوجاتا ہے تو وہ مجرد شخص کی نسبت جلد اپنی پہلی حالت پر پہنچ جاتا ہے۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ اہل وعیال کا خیال جو اُسکے سہارے پر جیتے ہیں اُس کو ان کی لئے روزی کمانے پر مجبور کرتا ہے مگر خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ گھر میں پہنچکر اُس کے دل کو تسکین ہوجاتی ہے اور غم و الم سے نجات مل جاتی ہے، نیز اُس کی خودداری بھی اِس بات سے قائم رہتی ہے کہ اگرچہ باہر اس کی عزت نہیں ہوتی اور چاروں طرف مایوسی ہی کی منحوس شکل نظر آتی ہے، تاہم ایسی حالتیں بھی چھوٹی سی دنیا (گھر) پر اُس کی حکومت ہے، برخلاف اِس کے مجرد شخص اپنے آپکو تنِ تنہا اور دنیا سے علیحدہ خیال کرتا ہے اور اُس کا دل کسی اُجڑی ہوئی منزل کی طرح صرف ایک مکیں نہ ہونیکی وجہ سے برباد اور تباہ ہوجاتا ہے۔

مجھے اِس وقت ایک خاندان کا قصہ یاد آیا جس کی حالت کو میں نے بچشم خود معائنہ کیا ہے۔ میرے ایک صادق دوست نے جس کا نام تسلی تھا ایک خوبصورت اور سلیقہ شعار لڑکی سے جس نے اونچے گھروں میں تعلیم و تربیت پائی تھی شادی کرلی تھی۔ اگرچہ وہ کچھ بذاتِ خود مالدار نہ تھی مگر میرے دوست کے پاس بے انتہا مال و زر تھا وہ سمجھتا تھا کہ اُس کی بیوی ہر طرح کے آرام و عیش سے رہیگی اور اُس کی زندگی بڑی راحت اور خوشی سے گذرے گی۔

حالانکہ دونوں کی مختلف طبائع تھیں، تاہم دونوں کے اتحاد کا باعث بھی یہی اختلافِ طبع ہوگیا تھا میرے دوست کے چہرہ پر تو متانت اور سنجیدگی

برستی تھی اور وہ ہشاش بشاش رہتی تھی اور خوش طبع تھی میں نے بارہا اس خاموش خوشی کی جھلک کو اُس کے چہرہ پر نمایاں دیکھا ہے جبکہ وہ اُس کے ساتھ ہوتی تھی اور جب کبھی اُس کی تعریف کی جاتی تھی تو اُس کی آنکھیں اپنے شوہر کی طرف متوجہ ہو جاتی تھیں گویا وہ صرف اُس کی پسندیدگی کی خواہاں ہے جب وہ اُسکے شانوں پر سہارا دیکر کھڑی ہوتی تو ایک عجیب سماں پیدا ہو جاتا تھا۔ اِس موقعہ پر جس اداسے وہ اُس کی طرف دیکھتی تھی بسیلی کو مغرور بنا دینے کے لئے کافی معلوم ہوتی تھی اور وہ فخر کیا کرتا تھا کہ میری قسمت میں ایسی بیوی ہے۔ میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئی شادی اس سے زیادہ آرام دہ نہ ہوئی ہوگی۔

بدقسمتی سے ایک مرتبہ میرے دوست نے اپنا تمام روپیہ بہت سے نفع کی اُمید پر تجارت میں لگا دیا تھا اور اس لئے چند ماہ تک اس کی شادی میں تاخیر ہوگئی تھی اتفاق وقت کہ اس کا تمام روپیہ ضائع ہو گیا اور وہ مفلسی اور تنگدستی کی حالت کو پہنچ گیا۔ کچھ دنوں تک اُس نے اس راز کو افشا نہ کیا اور شکستہ دلی اور افسردگی کے ساتھ رہتا رہا اُس کی زندگی اِس کے لئے سوہانِ روح ہوگئی اور زیادہ تر جس چیز نے اُس کی زندگانی تلخ کردی وہ اِس بات کا خیال تھا کہ اپنی بیوی کے سامنے حتی الوسع خوش اور بشاش رہے کیونکہ وہ اپنی بیوی کو اپنا حال سُنا کر مغموم اور رنجیدہ کرنا نہیں چاہتا تھا تاہم اِس عقلمند نے تاڑ لیا کہ بسیلی کے دل میں کوئی گہرا غم ضرور ہے، وہ اُسکی سرد آہوں اور چہرہ کی پژمردگی سے پہچان لیتی تھی۔

گو لیسلی نے اُس کے سامنے خوشی کے آثار ظاہر کرنیکی بہت کوشش کی۔ بہر حال اُس کی بیوی نے اپنی تمام خدا داد قابلیت سے سعی کی کہ وہ پھر آسودہ حال ہو جائے مگر اس کی اس کوشش نے تیر غم کے پیکاں کو اِس کے سینہ میں اور گہرا ڈبو دیا۔ جسقدر وہ اُس سے زیادہ محبت کرنیکی وجہ پاتا تھا۔ اُسیقدر وہ غمزدہ ہوتا تھا۔ کیوں؟ اس خیال سے کہ وہ بہت جلد معلوم کرلیگی کہ اب وہ مفلس اور قلاش ہو گئی ہے۔ وہ تصور کرتا تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں وہ مسکراہٹ جو اس کے لبوں پر نمایاں ہے۔ وہ خوشی کی جھلک جو اس کے رخسار پر ہویدا ہے سب غائب ہو جائیگی وہ سُریلی آواز جو اُس کو مست کر دیتی تھی ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائیگی۔ وہ دلفریب نگاہیں غم کی وجہ سے اپنی دلفریبی کو کھو بیٹھیں گی۔ اور وہ خوشدلی جو اس کے سینہ میں جاگزیں ہے رنج و الم کا شکار ہو جائیگی۔

آخر کار وہ ایک دن میرے پاس آیا اور بڑی ناامیدی کے لہجہ میں اپنے تمام حالات کا اظہار کیا، جب میں اُس کا تمام حال سُن چکا تو میں نے اس سے دریافت کیا "کیا تمہاری بیوی ان تمام باتوں سے آگاہ ہے"؟ اس سوال کا کرنا تھا کہ اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اور اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "خدا کے واسطے اگر تمہیں میرے ساتھ کچھ ہمدردی ہے تو اس کا اظہار میری بیوی سے نہ کرنا! یہ اُسی کا خیال ہے جس نے مجھے دیوانہ پن کی حالت کو پہنچا دیا ہے" میں "اور کیوں اُس سے نہ کہیں؟ اُسے ایک نہ ایک دن ضرور

معلوم ہو جائیگا تم اُس سے اس راز کو مدتوں تک نہیں چھپا سکتے اور ممکن ہے کہ
یہ خبر اس کے لئے زیادہ تکلیف دہ ہو جبکہ دوسرے لوگ اُس سے کہیں گے اور اگر
تم اُسے مطلع کردوگے تو غالباً اس کو کچھ رنج نہ ہوگا کیونکہ اُن کی آواز جن سے
ہم محبت رکھتے ہیں سخت سے سخت تکلیف دہ خبر کو بھی کسی قدر قابل برداشت
کر دیتی ہے۔ علاوہ ازیں تم اپنے آپ کو اُس کی ہمدردی سے محروم رکھنا چاہتے
ہو اور نہ صرف یہ بلکہ وہ رشتہ بھی جس سے کہ دو دل ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ
رہتے ہیں توڑنا چاہتے ہو، اُسے بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ تمہیں کوئی غم ستا
رہا ہے، پس یہ نہایت ہی بدنما اور برا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دوستوں سے بھی
اپنی حالت مخفی رکھی جائے"۔

یسلکی "میرے دوست! ذرا خیال تو کرو! کیا میں اُس کی اُمیدوں
پر پانی پھیر دوں، یہ مجھسے کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اُس کو گڑھے میں دھکا دیدوں
اور اُس سے کہدوں کہ تمہارا شوہر مفلوک الحال ہے! اُس سے کہدوں کہ
زندگی کے تمام عیش و عشرت کو بھلا دو! اُس سے کہدوں کہ سوسائٹی کی خوشیوں
کو خیرباد کہدو اور میرے ساتھ افلاس اور مصیبت کے گڑھے میں صبر کرنیکے لئے
تیار ہو جاؤ! اُس سے کہدوں کہ میں تمہاری خوشی کی حالت کو جس میں تم زندگی
بسر کرتی رہی ہو غم کی حالت سے مبدل کرنا چاہتا ہوں! آہ! وہ آنکھوں
کی ٹھنڈک! آہ! وہ دل کو مسخر کرنیوالی! بھلا وہ مفلسی کو کیسے برداشت کرسکتی

ہے؟ اُس کی تعلیم و تربیت امیروں کے ہاں ہوئی ہے' بھلا وہ کیسے بغیر خادمہ کے رہ سکتی ہے؟ وہ تو سوسائٹی کا نمونہ رہی ہے' آہ! یہ غم اُس کا دل توڑ دیگا یہ رنج اُسے پنپنے نہ دے گا۔"

میں نے دیکھا کہ میرے دوست کے دل پر جو صدمہ ہے کسی قدر اِسی طرح کم ہو سکتا ہے کہ وہ من وعن اپنی حالت کو بیان کر دے۔ پس میں نے بھی اُس کی گفتگو میں کچھ مداخلت نہ کی اور جو کچھ وہ کہتا رہا میں سنتا رہا۔ جب اُس کے رنج وغم کی حالت میں کمی واقع ہوئی اور وہ خیالات کے دریا میں خاموشی کیساتھ تیرنے لگا تو میں نے اِس مضمون کو نرمی اور دلاسے کے ساتھ پھر شروع کیا اور اُسے اِس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی تمام حالت کا اظہار فوراً اپنی بیوی سے کر دے اُس نے ایک آہ سرد بھری مگر اظہار حال کا وعدہ کر لیا۔

میں" اچھا تم کس طرح اُس سے اس راز کو پوشیدہ رکھ سکتے ہو' یہ ضروری بات ہے کہ اُسے معلوم ہو کر رہے گا۔ اس سے بہتر ہے کہ تم اپنا حال اُس سے کہدو اور اپنی حالت کے موافق طریقۂ بود و باش اختیار کرنے میں پیش قدمی کرو! تمہیں نہ صرف اپنا طریقہ بود و باش بدل دینا چاہئے بلکہ . . . یہ دیکھکر کہ اُس کے چہرہ پر افسردگی کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں" تم اِس خیال کی وجہ سے اپنے تئیں مصیبت میں نہ ڈالو مجھے یقین ہے کہ تم نے اپنی آسودگی کے زمانہ کو کبھی تمکنت اور غرور سے بسر نہیں کیا۔"

تمہارے دوست ہیں اور دوست بھی صادق، جو تمہیں اس وجہ سے ذلّت کی نگاہ سے نہ دیکھیں گے کہ تم شان وشوکت سے نہیں رہتے ہو اور واقعی **میری** کے ساتھ رہنے کے لئے کسی شاہی محل کی ضرورت بھی نہیں۔"

یسلی (درد بھری آواز میں) "میں اس کے ساتھ ایک تنگ وتاریک غار میں بھی خوش رہ سکتا ہوں، میں اس کے ساتھ افلاس کی مصیبتیں بھی جھیل سکتا ہوں میں اس کے ساتھ خاک میں بھی ملنے کو تیار ہوں" آہ! اس پر خدا رحم کرے! خدا اس پر رحم کرے۔!" یہ الفاظ اس کے محبت بھرے اور اور درد بھرے دل سے نکل رہے تھے۔

میں (آگے بڑھکر اور گرمجوشی کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ کے) میرے دوست یقین جانو اور میری بات کا اعتبار کرو۔ کہ وہ بھی تمہارے ساتھ اسی طرح پیش آئے گی بلکہ تم سے بہتر طور پر یہ بات اُس کے لئے فخر کا باعث ہو گی"۔ یہ غم اُس کی تمام پوشیدہ طاقتوں کو اور اس کی عادت کی چھپی ہوئی کمزور ہمدردیوں کو ایک دم سے اُبھار دے گا کیونکہ وہ یہ ظاہر کرنے میں خوش ہو گی کہ وہ تمہیں اور صرف تمہیں چاہتی ہے ہر ایک سچّی عورت کے دل میں خدا کے نور کی چنگاری ہوتی ہے" جو زمانہ عیش میں تو خاموش پڑی رہتی ہے۔ مگر افلاس اور تنگدستی کے دنوں میں چمک اُٹھتی ہے اور اپنی روشنی پھیلاتی ہے [1]

---

[1] اکثر اشخاص تجرد کی حالت میں اس وجہ سے پائے جاتے ہیں کہ وہ کمی آمدنی کا عذر پیش کیا کرتے ہیں

کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی بیوی کیا شے ہے۔ واقعی کوئی نہیں جانتا کہ وہ فرشتۂ رحمت کیا چیز ہے۔ جب تک کہ اسکے ساتھ مصیبت اور افلاس کے دنوں میں زندگی بسر نہیں کرتا۔

میرے انداز بیان میں اور میری طرز گفتگو میں کچھ ایسی چیز پوشیدہ تھی جس نے تسلی کے بھڑکے ہوئے خیالات کو دبا دیا۔ میں اپنے دوست کے مزاج سے خوب واقف تھا پس میری خواہش تھی کہ وہ اپنے دل میں اس اثر کو جس کو میری تقریر نے پیدا کیا ہے سے اپنے گھر لے جائے اور اپنی بیوی کو اپنے درد کی کہانی سنائے جب میں نے اتنا کہا ہے تو مجھے یہ بھی ضرور اقرار کرنا چاہیئے کہ میں نتیجہ کے لئے کسی قدر متفکر اور پریشان تھا۔

بقول مسٹر آرونگ انہیں اپنی اس قلیل آمدنی کے زمانہ میں ہی شادی کر لینی چاہیئے تاکہ اپنی بیوی کی ہمدردی سے محروم نہ رہیں بلکہ دیکھیں کہ وہ فرشتۂ رحمت افلاس اور مصیبت کے دنوں میں کس طرح اپنے شوہر کی ہمت بڑھاتی ہے حقیقتاً آمدنی کی کمی کا عذر بالکل بے بنیاد ہے کسی شخص کی ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میری آمدنی قلیل ہے۔ کسی شخص کی دس روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے اور وہ بھی سمجھتا ہے کہ میری آمدنی (اگر شادی کر لی جائے) خرچ کے لئے کفایت نہ کریگی۔ پس آمدنی کی کوئی تعداد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ ہر شخص کی جدا حالت ہوتی ہے۔ اس لئے اصل میں ہر شخص کی آمدنی شادی کرنے کے لائق ہوتی ہے۔ کیا ضرور ہے کہ جس شخص کی دس روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے وہ ہزار روپیہ کی آمدنی کو آمدنی سمجھے اور ایسا طرز معاشرت رکھنا چاہے جیسا کہ دولتمندوں اور امیروں کا ہوتا ہے۔ وہ کیوں نہ غریبوں کی طرح بسر کرے اور شادی کر کے آرام سے اپنی زندگی گزارے۔

خوشی اور اطمینان ممکن ہے کہ ایک بادشاہ کو حاصل نہ ہو اور ایک غریب کو میسر ہو لہذا ہر شخص کو اطمینان کے درپے ہونا چاہیئے نہ یہ کہ تموّل کا خیال پیش نظر رہے۔

بعض لوگ یہ عذر پیش کیا کرتے ہیں کہ ہم مذاق بیوی نہیں ملتی اور شاید وہ اس مضمون کو پڑھکر یہ کہیں کہ

(بقیہ صفحہ ۳۵ پر دیکھو)

حقیقتاً کون شخص اُس آدمی کے استقلال کا اندازہ کر سکتا ہے جس کی تمام عمر عیش و آرام سے بسر ہوئی ہو ممکن ہے کہ اُس کے عالی خیالات اُس سے بغاوت کرنے پر آمادہ ہو جائیں جبکہ اس کے سامنے افلاس و تنگدستی کا گڑھا منہ کھولے ہوئے ہو اور وہ خیالات اُسی بامِ عروج پر رہنا چاہیں جس پر وہ آج تک رہے ہیں علاوہ ازیں کسی امیر کا غریب ہونا اسقدر تکلیف دہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی کام خود کرنے میں اپنی ذلت سمجھتا ہے حالانکہ غریب کو اس کی مطلق پروا نہیں ہوتی الغرض میں اگلے دن ٹیسلی سے خوف و رجا کے بغیر نہ مل سکا۔

چونکہ اُس نے اپنی بیوی پر اپنی حالت ظاہر کر دی تھی اس لئے میں نے

اگر ہمیں ہیوی جیسی سلیقہ شعار اور لائق بیوی ملے تو ہم کو شادی کرنے میں کیا عذر ہے؟ وہ چاہتے ہیں کہ بیوی تعلیم یافتہ ہو تو زندگی آرام اور آسایش سے بسر ہو سکتی ہے۔ آج کل اُن دیہات میں جہاں ابھی روشنی نہیں پہنچی میں نے دیکھا ہے کہ متعدد لڑکیاں قرآن شریف اور مسئلہ مسائل کی دو چار کتابیں پڑھی ہوئی ہیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب کی تصنیفات اور اُمور خانہ داری کے متعلق جو اردو کتابیں ہماری زبان میں موجود ہیں وہ بھی ان کی نظر سے گذر چکی ہیں، معمولی خط پڑھ سکتی ہیں اور لکھ بھی سکتی ہیں۔ پس شہروں میں ظاہر ہے کہ اُن سے زیادہ تعلیم یافتہ، لائق اور سلیقہ شعار لڑکیاں مل سکتی ہیں اب یہ عذر کہ ہندوستان میں ہم مذاق بیوی کا ملنا نہایت دشوار ہے بالکل بے بنیاد ہے۔ علاوہ ازیں اگر کسی لڑکی میں جو آج کل خواندہ شمار کی جاتی ہے کسی ایک آدھ چیز کی کمی ہو تو سلیم الطبع شوہر اپنی بیوی کو بالکل اپنے ہم مذاق بنا سکتا ہے۔

میرے نزدیک ایک خواندہ لڑکی اس مشین کے مانند ہے جس کے کسی پرزہ کو ذرا حرکت دینے سے خاطر خواہ کام لے سکتے ہیں دو چار باتیں جہاں اسکو سکھائیں اور وہ ہم مذاق بنی۔ اور اگر ہم ایسے کاہل ہیں کہ مشین کے پرزوں کو حرکت دینا نہیں چاہتے۔ یا اتنی قابلیت نہیں رکھتے کہ حرکت دے سکیں تو اس میں بیچاری لڑکیوں کا کیا قصور ہے؟ خود ہمیں خطاوار ہیں۔

مترجم

اُس سے پوچھا" اور اُس نے اِس خبر کو کس طرح سُنا" لیسلی " ایک فرشتہ کی طرح"! بلکہ یہ خبر اُس کے لئے فرحت افزا ہوئی کیونکہ اس نے میری گردنیں اپنی باہیں ڈالدیں اور مجھ سے کہنے لگی کہ کیا تم پچھلے دنوں صرف اسی وجہ سے مغموم اور رنجیدہ معلوم ہوتے تھے؟ مگر وہ بیچاری اب تک نہیں جانتی کہ ہم کو اِس تبدیلی سے کیا کیا تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں گی وہ علمی طور سے غربت کے معنی سمجھتی ہے مگر عملی طور سے وہ اِس کے کچھ بھی معنی نہیں جانتی اُس نے نظموں میں غربت کا حال پڑھا ہے جہاں شعراء نے ناداری کو محبت اور عشق سے وابستہ کر دکھایا ہے، اُس کو ابتک معلوم نہیں کہ آرام و آسایش کی چیزیں اُس سے چھین لی گئی ہیں، وہ ابتک ان چیزوں کے نقصان کا اندازہ نہیں کرسکی جن کی وہ عادی رہی ہے، جب ہم پر عملی طور سے غربت اور مفلسی کے تفکرات پڑیں گے، جب ہم چھوٹی چھوٹی چیزوں کی ضرورت محسوس کریں گے، جب ہم اپنی ناداری میں ذلت دیکھیں گے تب اصلی آزمایش کا وقت آئے گا۔

"میں"۔ مگر چونکہ اب تم ایسے سخت مشکل کام کو انجام دے چکے ہو یعنی اس پر اپنی حالت کا اظہار کرچکے ہو تو جسقدر جلد دُنیا پر یہ بات منکشف ہوجائے اسی قدر بہتر ہے اگرچہ اس کا ظاہر کرنا تکلیف دہ کیوں نہو مگر اب صرف یہی ایک مصیبت ہوگی اور وہ جلد ختم ہوجائیگی برخلاف اس کے تم اس اندیشے میں کہ کہیں میری حالت ظاہر نہ ہوجائے سخت تکلیف برداشت کروگے۔

مفلسی کسی مصیبت زدہ شخص کے لئے بذات خود اتنی رنج دہ نہیں ہوتی جسقدر تصنع (یعنی پاس تو ایک پیسہ نہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ ہم بڑے امیر ہیں) اور یہ ظاہری شان و شوکت بہت جلد ختم ہو جاتی ہے؛ میری صلاح یہ ہے کہ تم دل کو مضبوط کرکے اپنی غربت کا اظہار کر دو پھر تمہیں ناداری کا کچھ بھی غم نہ رہیگا۔

اِس بات پر میں نے لیسلی کو بالکل آمادہ پایا، وہ خود ظاہری شان و شوکت کو ناپسند کرتا تھا اور اُس کی بیوی بھی اپنی اس تبدیل شدہ حالت کے موافق رہنے کی خواہشمند تھی۔

کچھ دنوں کے بعد اُس نے ایک دن شام کیوقت میرے دروازہ پر دستک دی، اُس نے اپنا مکان فروخت کر دیا تھا اور شہر سے چند میل کی فاصلہ پر ایک گاؤں میں ایک جھونپڑا خرید لیا تھا، اُس دن وہ اپنا اسباب بھیجنے میں مشغول تھا۔ اِس نئے طریقۂ بود و باش کے لئے چند چیزوں کی ضرورت تھی اور وہ بھی بہت سیدھی سادی، تمام شاندار اسباب فروخت کر دیا گیا تھا صرف اُس کی بیوی کا ستار رکھ لیا گیا تھا اِس کے فروخت نہ کرنے کی وجہ لیسلی نے یہ بیان کی کہ ستار کو میرے قصۂ محبت سے بہت تعلق ہے وہ لمحے نہایت ہی خوشگوار ہوتے تھے جبکہ میں کورٹ شپ کے زمانہ میں اُس کی دلفریب آواز سُننے کے لئے ستار پر جھک جایا کرتا تھا۔ اپنی بیوی سے اُس کی اس قدر محبت دیکھکر میں اپنے آپ کو ہنسی سے باز نہ رکھ سکا۔

اب وہ اپنے نئے گھر کو جا رہا تھا جہاں اُس کی بیوی نے تمام دن اسباب وغیرہ کا انتظام کیا تھا چونکہ مجھے اِس خاندان کے قصّے سے بہت دلچسپی ہوگئی تھی اور شام کا وقت بھی خوشگوار معلوم ہوتا تھا اِس لئے میں نے اُس کے ساتھ چلنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

جب وہ تمام دن کی کلفت سے تھکا ہوا میرے ساتھ جا رہا تھا تو وہ اپنے خیالات میں محو تھا آخر کار اُس کی زبان سے ٹھنڈی سانس کے ساتھ یہ الفاظ نکلے "آہ میری"۔

میں۔ کیوں کیا ہوا؟ کیا کوئی بات اُس کے متعلق غیر معمولی واقع ہوگئی ہے

لیسلی۔ کیا! (عجیبی کے ساتھ مجھے دیکھتے ہوئے) کیا یہ کوئی بات نہیں ہے کہ وہ اِس مفلسی کی حالت کو پہنچ گئی ہے وہ ایک خراب جھونپڑے میں بند کر دی گئی ہے، وہ مجبور کی گئی ہے کہ اپنے لئے گھر کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خود انتظام کرے۔

میں۔ تو کیا اُس نے اپنی اس حالت پر اظہار رنج کیا ہے؟

لیسلی۔ اظہار رنج! وہ نہایت خوش ہے اور میرے خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ دراصل وہ پہلے سے زیادہ اس حالت میں خوش ہے، وہ مجھسے محبت رکھتی ہے۔ اُس کو میرے آرام کا خیال رہتا ہے۔

میں۔ فرشتہ خصلت عورت! دوست! تم اپنے آپ کو غریب کہتے ہو۔

میں کہتا ہوں تمہارے پاس ایسی دولت کبھی نہ تھی جو آج تمہیں میسر ہے، آج حسن کے خزانوں کی دیوی تمہارے قبضہ میں ہے۔

یسلی۔ مگر میرے دوست! جب میری یہ پہلی اُس سے ملاقات ختم ہو جائیگی تو میں سمجھونگا کہ اب میں آرام سے ہوں لیکن یہ اُس کے اصلی تجربہ کا پہلا دن ہے، اس کو رہنے کے لئے ایک شکستہ جھونپڑا ملا ہے، وہ تمام دن چھوٹی اور ادنیٰ چیزوں کے رکھ رکھاؤ میں مشغول رہی ہے اُس نے پہلی مرتبہ سمجھا ہے کہ گھر کے کاموں میں کس قدر تکان ہوتا ہے اُس نے پہلی مرتبہ اُس گھر کو دیکھا ہے جس میں کوئی عمدہ چیز نہیں، آہ اب تھکی ہوئی بیٹھی ہوگی اور اُس کے چہرہ پر اُداسی برس رہی ہوگی اور وہ آنے والی مصیبتوں کا خیال کر رہی ہوگی۔

چونکہ اس کا یہ خیال کچھ واقعیت کا پہلو لئے ہوئے تھا اس لئے میں نے اُس کی تردید نہیں کی اور ہم خاموشی کے ساتھ اپنا رستہ طے کرتے رہے۔

بڑی سڑک سے مڑنیکے بعد ایک ایسے رستے میں ہو کر جس کے چاروں طرف جنگل کے درخت اور جھاڑیاں اس قدر کھڑی ہوئی تھیں کہ وہ رستہ گوشۂ تنہائی معلوم ہوتا تھا ہم اس جھونپڑے کے قریب پہنچ گئے۔

وہ شاعر بھی جو دیہات کی سرسبزی کو اور اُس کی سادگی وغیرہ کو بہت پسند کرتا اِس جھونپڑے کو نہایت ذلیل کہنے میں تامل نہ کرے گا، تاہم گاؤں کی شان ضرور تھی قدرتی انگور کی بیل اُس کے ایک طرف پھیلی ہوئی تھی اور

بیل کے پتے اچھے معلوم ہوتے تھے۔چند درختوں کی شاخیں ایک ادا کے ساتھ اُس کے اوپر پھیلی ہوئی تھیں اور دروازے پر چند پھولوں کے گملے لٹک رہے تھے اور چند گملے دروازہ کے سامنے گھاس کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔جب ہم بہت قریب پہنچ گئے۔ تو ہم نے گانیکی آواز سنی۔ لیسلی نے فوراً میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ہم رُک کر گانا سُننے لگے۔ یہ آواز میری کی تھی اور وہ اس انداز سے گا رہی تھی کہ خواہ مخواہ دل پر اثر ہوتا تھا۔

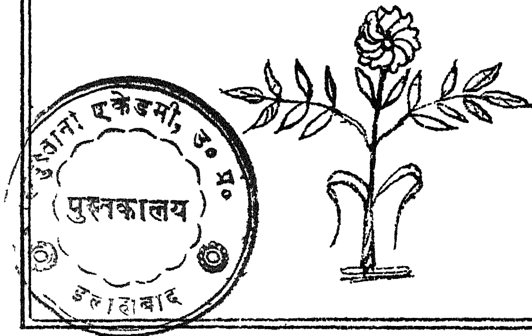
میں نے دیکھا کہ لیسلی کا ہاتھ کانپنے لگا وہ صاف طور سے گانا سننے کے لئے آگے بڑھا اس کے قدموں سے آواز پیدا ہوئی اور ایک روشن اور خوبصورت چہرہ کھڑکی میں دکھائی دیا اور غائب ہوگیا تھوڑی دیر میں پھر مجھے آہٹ معلوم ہوئی ہمنے دیکھا کہ میری ہمارا استقبال کرنے کے لئے موجود ہے وہ دیہاتی سفید لباس پہنے ہوئے تھی، چند پھول اُس نے اپنے نرم اور نازک بالوں میں لگا رکھے تھے ایک خوشی کی جھلک اُس کے چہرہ پر نمودار تھی بلکہ اُس کے تمام چہرہ پر مسکراہٹ اور ہنسی کے آثار نمایاں تھے۔

مجھے وہ پہلے کبھی اسقدر پیاری اور خوبصورت نہیں معلوم ہوئی تھی جیسی آج معلوم ہوئی۔

میری:۔ میرے پیارے جارج! میں بہت خوش ہوئی کہ تم آگئے مجھے تمہارا سخت انتظار تھا کبھی میں رستے پر جا کر دیکھتی تھی کبھی یہاں بیٹھی کیسا تھ

تمہیں اخیال کرتی تھی [illegible] اِس جھونپڑے کے پیچھے ایک خوبصورت درخت
کے نیچے ایک میز لگا [illegible] ور میں نے نہایت لذیذ بیر جمع کر رکھے ہیں کیونکہ میں
جانتی ہوں کہ تم بیروں [illegible] کے بڑے شایق ہو بالائی بھی تمہارے واسطے نہایت عمدہ
طیار ہے الغرض ہر چیز موجود ہے (اپنا ہاتھ اپنے شوہر کے ہاتھ میں دیکر اور اُس کے
چہرہ کی طرف دیکھکر) آہا ! ہم بڑے آرام میں ہیں اور نہایت خوش ہیں"۔

بیچارے ٹسلی پر اِس کا بہت ہی اثر ہوا۔ اُس نے اُس کو اپنے گلے سے
لگا لیا اور اپنے ہاتھ اُس کی گردن میں ڈال دیئے۔ اور اُس کے بوسے لینے شروع
کر دیئے اگرچہ اُس کی زبان سے الفاظ نہ ادا ہوسکے مگر اُس کی آنکھوں سے
بڑی تیزی کے ساتھ آنسو نکل پڑے؛ میرے دوست نے مجھے بارہا یقین دلایا
ہے کہ اگرچہ اب وہ خدا کے فضل سے دولتمند بھی ہے اور اس کی زندگی خوشی
سے گذرتی ہے مگر ایسا عمدہ وقت جبکہ وہ میرے ساتھ اپنے جھونپڑے کو گیا تھا۔
اور اُس کی بیوی ہم سے آکر ملاقی ہوئی تھی ابتک میسر نہیں آیا۔



فنِ کتاب نویسی

اگر سینیسؔ کا یہ سخت ریمارک تسلیم کر لیا جائے کہ "مُردوں کے مضامین کا سرقہ اُن کے کفن کھسوٹ لینے سے زیادہ مذموم فعل ہے" تو بہت سے مصنفین کا کیا حال ہو گا؟

برٹن

مجھے کتابوں کی افراط پر اکثر تعجب ہوا کرتا تھا اور میں دل میں کہا کرتا تھا کہ وہ اشخاص جن کو خدائے تعالیٰ نے کتاب لکھنے کے لئے پیدا نہیں کیا تھا کس طرح مجلد اور ضخیم کتابوں کے مصنف بن جاتے ہیں؟ مگر جسقدر آدمی سفرِ زندگی طے کرتا جاتا ہے اُسی قدر تعجب خیز اشیاء کا وجود اُس کی نظروں میں کم ہوتا جاتا ہے اور اُسے رفتہ رفتہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نہایت تعجب خیز امر کی سیدھی سادی وجہ ہوا کرتی ہے۔ مجھے اِس بڑے شہر میں (لندن) جبکہ میں ادھر اُدھر سیر کرتا پھر رہا تھا ایسا ہی اتفاق ہوا، میں غلطی سے ایک مقام پر جا پہنچا جہاں فنِ کتاب نویسی کے کچھ راز مجھپر منکشف ہو گئے اور فوراً میری حیرت کا خاتمہ ہو گیا۔

میں ایک دن موسمِ گرما میں برٹش میوزیم **British Museum.** کے بڑے کمروں میں اُس خاموشی کے ساتھ جس سے ایک شخص گرمی کے

کے دن ایک میوزیم کے گرد اِدھر اُدھر بھٹکتا ہے ٹہل رہا تھا بعض اوقات اُن
معدنیات کو جو شیشے کی الماریوں کے اندر بند تھیں جھک کر دیکھنے لگتا تھا، بعض
اوقات قدیم مصری خط کو جو ممی پر کندہ تھا پڑھنے لگتا تھا، اور بعض اوقات
تقریباً اسی کامیابی کے ساتھ فرضی نتیجہ خیز تصاویر کو جو بلند چھتوں پر منقش تھیں سمجھنے
کی کوشش کرنے لگتا تھا جبکہ میں اِس بے پروائی کے ساتھ اِدھر اُدھر ٹہل رہا
تھا میری توجہ ایک دور کے دروازے کی طرف منعطف ہو گئی جو کمروں کی قطار
کے اُس سرے پر واقع تھا۔ یہ دروازہ بند تھا لیکن کبھی کبھی کھلتا تھا اور کوئی نہ کوئی
اجنبی مگر دلچسپ شخص، عموماً سیاہ لباس میں ملبوس، کمروں میں ہوتا ہوا، اردگرد
کی چیزوں پر نظر ڈالے ہوئے بغیر آہستگی کے ساتھ داخل ہو جاتا تھا۔ اس
کیفیت میں کچھ رازِ سربستہ کی شان پائی جاتی تھی جس نے میری دوربین نظر
کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ چنانچہ میں نے دل میں ٹھان لیا کہ میں ضرور اِس آبنائے
میں داخل ہو کر اُن نامعلوم ممالک کا جو اُس طرف واقع ہیں پتہ لگاؤنگا۔

دروازہ ہاتھ لگاتے ہی اُس آسانی کے ساتھ کھل گیا جس آسانی سے
مسحور (طلسمی) قلعوں کے دروازے باہمت اور بہادر شہزادوں کے لئے
افسانوں میں کھل جایا کرتے ہیں۔ میں نے اپنے آپ کو ایک وسیع کمرے میں
پایا جس کے چاروں طرف پرانی کتابوں کی الماریاں رکھی ہوئی تھیں۔
الماریوں کے اوپر اور ٹھیک کانس کے نیچے قدیم مصنفوں کی بہت سی

سیاہ رنگ کی تصویریں سجی ہوئی تھیں، بیچ میں لمبی لمبی میزیں پڑی ہوئی تھیں
اور لکھنے پڑھنے کے لئے علیحدہ میزیں بچھی ہوئی تھیں جن کے چاروں طرف کتب بین
اشخاص جن کے چہرے کثرتِ مطالعہ سے زرد پڑ گئے تھے بیٹھے ہوئے تھے اور گرد
سے اٹی ہوئی کتابوں کو غور سے جھک جھک کر دیکھتے جاتے تھے اور خاک آلودہ
قلمی کتابوں کو تلاش کر رہے تھے اور اُن کے مضامین سے بے شمار نوٹ لے رہے
تھے۔ اِس پُراسرار کمرے میں چاروں طرف خاموشی ہی خاموشی چھائی ہوئی تھی
بجز اِس کے کہ کاغذ کے تختوں پر قلموں کی تیز رفتاری کی آواز سُنائی دیتی تھی
یا کبھی کبھی ان بزرگوں میں سے کسی کی گہری سانس سے جب وہ اپنی نشست کو
کو کسی پُرانی کتاب کی اوراق گردانی کے لئے بدلتے تھے آواز پیدا ہو جاتی
تھی۔ ایسی گہری سانس علمی تحقیقات کے وقت بلاشبہ خلوئے معدہ کی وجہ سے
پیدا ہو جایا کرتی ہے۔

کبھی کبھی اِن بزرگوں میں سے ایک بزرگ کاغذ کے پُرزے پر کچھ لکھ دیتا تھا
اور گھنٹی بجاتا تھا، جس کی آواز پر ایک چپراسی حاضر ہوتا تھا اور کاغذ کو نہایت
خاموشی کے ساتھ اُٹھا کر آہستگی سے غائب ہو جاتا تھا اور فوراً ضخیم جلدوں سے
لدا ہوا واپس آتا تھا جن پر دیگر صاحبان بھی بجوا اس ہو کر اس طرح گرتے تھے
جس طرح دو تین روز کا فاقہ کش کھانے پر گرتا ہے۔ مجھے اپنے اِس خیال میں
ذرا بھی شک نہیں تھا کہ میں ساحروں کے مجمع میں آ پھنسا ہوں جو محض علوم

کی تحصیل میں مشغول ہیں۔ اس نظارے نے مجھے الف لیلہ کے اُس پُرانے قصّے کو یاد دلادیا جس میں ایک حکیم پہاڑ کے بیچ میں اپنے طلسمی کتب خانے میں رہا کرتا تھا اور جس کا دروازہ سال میں صرف ایک مرتبہ کُھلتا تھا وہاں وہ جنوں کے ذریعے سے ہر قسم کے مخفی علوم کی کتابیں منگاتا تھا اور جب سال کے آخر میں ایک مرتبہ دروازہ کھلتا تھا تو وہ پوشیدہ علوم میں اس قدر ماہر ہو کر نکلتا تھا کہ انسان اُس کے اسرار سمجھنے سے قاصر رہتے تھے اور اُس کے حکم سے تمام مخلوقات میں سے ایک شے بھی سرتابی نہیں کر سکتی تھی۔

چونکہ اب میری حیرت اور بھی بڑھ گئی تھی، میں نے اُن ملازموں میں سے ایک کے کان میں کچھ کہا اور اُس سے دریافت کیا کہ اس موجودہ نظارے کی حقیقت کیا ہے؟ اُس کے چند الفاظ سے مجھپر تمام واقعہ کا انکشاف ہو گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ پراسرار اشخاص جن کو میں غلطی سے ساحر سمجھا مشہور مصنّفین میں سے ہیں اور کتابیں تیاّر کرنے کے کام میں مشغول ہیں اور میں دراصل بڑے برٹش کتب خانہ کے پڑھنے کے کمرے میں بیٹھا ہوا ہوں۔ جہاں بے انتہا کتابیں ہر زمانے اور ہر زبان کی موجود ہیں جن میں سے اکثر کا تو کوئی نام بھی نہیں جانتا اور اکثر شاذ ونادر پڑھی جاتی ہیں۔ قدیم علم ادب کے علیحدہ اور پوشیدہ سرچشموں میں سے یہ بھی ایک منبع ہے جہاں موجودہ مصنف جاتے ہیں اور اُن میں سے قدیم زبان کے ڈول کھینچتے ہیں یا با لفاظ دیگر ٹھیٹھ انگریزی

(جو مخلوط نہیں ہے) حاصل کرتے ہیں اور اپنے خیالات کے کم آب نالوں کو اُن سے اس قدر لبریز کرتے ہیں کہ وہ کناروں سے بھی اُبل پڑتے ہیں۔

چونکہ اب مجھپر رازِ سربستہ کا انکشاف ہو گیا تھا اس لئے میں ایک کونہ میں جا بیٹھا اور کتابیں تصنیف کرنے کی کارروائی کو غور سے دیکھنے لگا۔ میری نظر ایک لاغر اور زردی مائل شخص پر جا پڑی جو نہایت کرم خوردہ اور موٹے حرفوں کی کتابوں کے سوا اور کسی کتاب کی تلاش ہی نہیں کرتا تھا۔ وہ بظاہر کسی نہایت عالمانہ کتاب کی تیاری میں مصروف معلوم ہوتا تھا جس کو ہر شخص جو اس بات کی خواہش رکھتا ہو کہ دوسرے لوگ اُسے قابل سمجھیں ضرور خریدیگا۔ اور جو اُس کے کتب خانہ کی الماری کے ایک کتابوں سے بھرے ہوئے خانے میں رکھی رہیگی یا اُس کی میز پر کھلی رہیگی لیکن کبھی پڑھی نہیں جائیگی۔ میں نے دیکھا کہ وہ کبھی کبھی ایک بسکٹ اپنی جیب میں سے نکال لیتا تھا۔ اور اُس کو کھانے لگتا تھا۔ معلوم نہیں کہ یہ اُس کا دوپہر کا کھانا تھا یا وہ اِس طریق سے جوع البقر کی تکلیف کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو خشک کتابوں کے دیکھنے سے پیدا ہو گئی تھی۔ میں اِس امر کی تحقیق اپنے سے زیادہ متجسس طالبعلموں کے لئے چھوڑتا ہوں۔

اُن لوگوں میں ایک چست چالاک اور کوتہ قامت آدمی بھی نظر پڑا جو بھڑکیلے کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھا اور جس کے چہرہ سے مترشح ہوتا تھا

کہ وہ گپ شپ اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کا زیادہ شوقین ہے۔ اُس میں تمام باتیں ایک ایسے مصنّف کی پائی جاتی تھیں جو کتب فروشوں کی فرمائش پر کتابیں لکھا کرتے ہیں اور اپنی جگر کاوی کو اونے پونے فروخت کر دیا کرتے ہیں۔ اُس کو غور سے دیکھنے کے بعد میں نے یہ رائے قائم کی کہ وہ محنت سے کام کرتا ہے اور مختلف کتابیں لکھ چکا ہے جو تجارت کے اصول کے لحاظ سے تیار کی گئی تھیں اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئی تھیں۔ چنانچہ میری دلی تمنّا تھی کہ میں اِس بات کا پتہ لگاؤں کہ یہ شخص کس طرح کتابیں تصنیف کرتا ہے۔ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ کام کرنے والا معلوم ہوتا تھا اور اُس میں اوروں سے زیادہ چُستی پائی جاتی تھی، مختلف کتابوں کو پڑھتا تھا، قلمی کتابوں کے اوراق اُلٹا پلٹتا تھا، ایک لقمہ اِس کتاب سے، دوسرا لقمہ دوسری کتاب سے لیتا تھا۔ سطر بہ سطر، ضرب المثل بہ ضرب المثل تھوڑا یہاں سے تھوڑا وہاں سے نقل کرتا جاتا تھا۔ اُس کتاب کے مضامین اس قدر مختلف تھے جتنے میکبتھ[1] **Macbeth** میں اُن جادو

[1] شیکسپیر انگلستان کا مشہور ڈراما نویس گزرا ہے جس نے میکبتھ لکھا ہے۔ اس ڈراما کا نام اُس کے ہیرو کے نام پر ہے۔ میکبتھ اسکاٹ لینڈ کا ایک امیر تھا جس کو کاہنوں نے یا پریوں نے خبر دی تھی کہ وہ اسکاٹ لینڈ کا بادشاہ ہوگا۔ اُس کی بیوی اسے ترغیب دیتی تھی کہ وہ اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ کو قتل کر دے اور خود تخت پر بیٹھ جائے۔ وہ پہلے ہچکچاتا تھا لیکن آخر کار اُس نے بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور تخت نشین ہو گیا بادشاہ ہونے کے بعد وہ جادوگرنیوں کے پاس گیا ہے اور وہاں اُس نے جا کر دیکھا ہے کہ وہ تین جادوگرنیاں کچھ پڑھتی جاتی ہیں اور ایک کڑاہی میں یا دیگ میں کتّے کی زبان، لومڑی کی دم اور اور مختلف جانوروں کے اجزائے بدنی اس میں پھینکتی جاتی ہیں۔ یہاں واشنگٹن ارونگ کی مراد صرف مختلف مضامین سے ہے

مترجم

گرنیوں کی دیگ میں مختلف جانوروں کے اجزائے بدنی تھے۔ کسی کا انگوٹھا۔ کسی کی انگلی، مینڈک کے پیر کی انگلی، ایک کیڑے کا ڈنک، جس میں اپنی گپ شپ بھی ملی ہوئی تھی جیسے لنگور کے خون سے وہ تمام مرکب غذا ذائقہ دار بنائی جاتی تھی۔
بہرحال میں نے خیال کیا ممکن ہے اس سرقہ کی عادت سے جو مصنفوں میں پائی جاتی ہے بار آور نتائج مرتب ہوتے ہوں، ممکن ہے اس طریقے کو قادرِ مطلق نے کتابوں کے ناگزیر تنزل کے باوجود ایک زمانے سے دوسرے زمانے تک علم و حکمت کے بیجوں کو قائم رکھنے کا ذریعہ قرار دیا ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قدرت نے عقلمندی کے ساتھ کسی قدر بے پروائی سے ایک ملک سے دوسرے ملک تک بیجوں کے پہنچنے کا انتظام بعض پرندوں کی شکم پروری کے ذریعے سے کیا ہے کیونکہ وہ جانور یا پرند جو درحقیقت مضغۂ گوشت سے کچھ زیادہ نہیں ہیں اور بظاہر باغوں یا غلّہ کے کھیتوں کے ناجائز لٹیرے معلوم ہوتے ہیں دراصل فطرت کے حمّال ہیں تاکہ اُس کی رحمتوں کو پھیلائیں اور اُن کو دیرپا بنائیں۔ اسی طرح متقدمین کے نازک خیالات اور اُن کی خوبیاں یہ لٹیرے مصنّف اپنی تصنیفات کے بازوؤں میں لے اُڑتے ہیں اور وقت کے نہایت دراز خطے میں اُن کو گرا دیتے ہیں تاکہ وہ بڑھیں اور پھولیں اور بار آور رہوں۔ اُن کی بہت سی کتابیں آواگون کے پھیر میں آجاتی ہیں اور نئی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ جو پہلے ایک مستند تاریخ تھی وہ ایک فسانے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایک پرانا

قصّہ حال کے ناٹک کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور ایک خشک اور متین فلسفہ کا رسالہ عمدہ اور دلچسپ مضامین کے سلسلے کا ذخیرہ بن جاتا ہے۔ امریکہ کے جنگلوں کی صفائی کے وقت بھی اس بات کا ثبوت ملا ہے کہ جب شاندار صنوبر کے درختوں کا جنگل خاکستر کر دیا جاتا ہے تو اُن کی جگہ بہت سے چھوٹے چھوٹے شاہ بلوط کے درخت پیدا ہو جاتے ہیں اور ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایک درخت کی بریدہ شاخ جو زمین پر پڑی ہوئی ہے مٹی میں ملکر مٹی ہو گئی ہے بلکہ اُس سے بے انتہا سانپ کی چھتریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

پس ہمکو متقدمین کے زوال اور اُن کی یک قلم فراموشی پر افسوس نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ اُس زبردست قانون قدرت کی متابعت کرتے ہیں جو صاف الفاظ میں یہ ہے کہ تمام مادہ کی دنیاوی شکلیں ایک زمانۂ خاص تک قائم رہیں گی لیکن وہ اِس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ اُن کے عناصر کبھی فنا نہ ہونگے ایک نسل کے بعد دوسری نسل، حیوانی ہو یا نباتی، گزرتی جاتی ہے مگر یہ مضبوط اصول آیندہ نسلوں کو پہنچتا رہتا ہے کہ اُن کی نسلیں پھلیں اور پھولیں گی پس اسی طرح مصنّف کے بعد مصنّف پیدا ہوتا رہیگا اور جب اُس پر بڑھاپا آجائیگا اور بہت سی اولاد پیدا کر چکے گا تو وہ قبر میں جاکر اپنے بزرگوں کے ساتھ سو رہیگا یعنی اُن مصنفوں کے ساتھ جو اُس سے پیشتر گزر چکے ہیں اور جنکے خیالات کا سرقہ اُس نے کیا تھا۔

جبکہ میرا دماغ اِن پریشان خیالات سے چکرا رہا تھا، میں نے اپنے سر کو پرانی کتابوں سے کمر لگا کر آرام پہنچایا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اِن کتابوں کے خواب آور اثر کی وجہ سے یا کمرے کی خاموشی کی وجہ سے یا اُس تکان سے جو بہت پھرنے کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے یا اُس خراب عادت کے سبب سے یعنی بلا لحاظ موقع و وقت سونے کی عادت کے باعث جس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے میری آنکھ جھپک گئی۔ تاہم قوت متخیّلہ برابر کام کرتی رہی اور بالکل وہی منظر پھر دماغ کی آنکھوں کے سامنے آموجود ہوا۔ البتہ کہیں کہیں تھوڑی سی تبدیلی واقع ہو گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ بڑا کمرہ قدیم مصنّفوں کی تصویروں سے ویسا ہی آراستہ تھا لیکن تعداد میں کچھ زیادتی ہو گئی تھی۔ لمبی میزوں کا نشان تک نہیں تھا اور عقلمند ساحروں کی بجائے مجھے ذلیل اشخاص پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے دکھائی دئے، جیسے گزری میں اُترے ہوئے کپڑوں کے دکاندار کے پاس پھٹے کپڑے پہنے ہوئے لوگوں کی صورت میں خریدار نظر آیا کرتے ہیں جس کتاب کو وہ ہاتھ میں لیتے تھے مجھے معلوم ہوتا تھا (جیسا کہ اکثر خواب میں ناممکن باتیں بھی عمل میں آجاتی ہیں) کہ وہ کتاب غیر ملکی یا قدیم فیشن کے لباس میں بدلتی جاتی ہے اور اُس سے وہ اپنے آپ کو ملبوس کرتے جاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ ایک شخص ایک خاص جوڑے کو نہیں پہنتا تھا بلکہ ایک کی آستین، دوسرے کی ٹوپی، تیسرے کے دامن۔ الغرض اسی طرح اپنے آپ کو مختلف کپڑوں سے مزیّن کر رہے ہے

تھے اور اُن کے پھٹے پرانے چیتھڑے بھی اس عمدہ اور مستعار لباس میں سے دکھائی دیتے تھے
اِن اشخاص میں ایک شاندار، سُرخ سپید، اور موٹا تازہ پادری بھی تھا
جس کو میں نے دیکھا کہ وہ ترچھی نظر سے بعض گرد آلودہ مناظرہ کرنے والوں کی
تصویریں عینک سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے جلد پرانے مقدّس پادریوں میں سے
ایک کی بہت سی پوشاک کو قبضہ میں کر لینے کی ترکیب کی اور دوسرے پادری
کی کھبوری داڑھی چُرا کر اپنے آپ کو نہایت عقلمند معلوم کرانے کی کوشش کی
مگر اُس کے چہرے پر جو معمولی بناوٹ کی مسکراہٹ نمایاں تھی اُس نے اُس کی
عقلمندی کے تمام فریب کو ظاہر کر دیا۔ ایک شخص مردہ شکل کا آدمی کلابتون سے جو ملکہ
الیزبیتھ کے زمانہ کی خلعتوں سے نکال کر جمع کیا تھا ایک بہت پھٹے پرانے کپڑے
پیہ کار چوبی کا کام بنا رہا تھا۔ دوسرے صاحب نے اپنے آپ کو ایک مطلا قلمی کتاب
سے تزک و احتشام کے ساتھ آراستہ کیا تھا اور اپنے سینے پر ایک پھول لگایا تھا
جس کو انہوں نے ڈینٹی ڈیوس Daintie Devices کی بہشت سے اڑا لیا تھا
اور بانکپن کے ساتھ سر فلپ[1] سڈنی Sir Philip Sidney
کی ٹوپی کو سر پر ایک طرف رکھے ہوئے اور ایک شاندار صورت بنائے ہوئے

---

[1] سر فلپ سڈنی ملکہ الیزبیتھ کے درباریوں میں سے تھا، وہ نہایت وجیہ اور بامذاق تھا۔ شاعری سے اُس کو خاص دلچسپی تھی چنانچہ اُس کی نظموں سے اُس کا کمال ٹپکا پڑتا ہے۔

مترجم

جسپر کچھ شرافت اور کچھ گنوارپن برستا تھا اکڑتے ہوئے پھر رہے تھے۔ تیسرے
صاحب جو کوتہ قامت تھے فلسفہ کی پھٹی پرانی کتابوں سے جو دقایق اور غوامض
سے پُر تھیں بڑی جرأت کے ساتھ تکیہ لگائے بیٹھے تھے جس سے اُس کی
روکار شاندار بن گئی تھی لیکن عقب پر نہایت بوسیدہ لباس تھا۔ میں نے غور سے
دیکھا تو معلوم ہوا کہ اُس نے اپنے چھوٹے سے کپڑوں میں کسی لاطینی مصنّف کے
پیوند لگا رکھے تھے۔

یہ سچ ہے کہ اُن میں بعض شرفاء اچھا لباس بھی پہنے ہوئے تھے جنھوں نے
صرف جواہرات مستعار لے رکھے تھے اور اگرچہ یہ اُن کے زیورات میں خوب
چمکتے دمکتے تھے۔ لیکن اُن کے زیور کی اصلی چمک کو ماند نہیں کرتے تھے۔ بعض
صرف پُرانے مصنّفین کے لباس کو اِس خیال سے پیش نظر رکھے ہوئے تھے
کہ اُن کے مذاق کے اصول کی نقل اُڑائیں اور اُن کی وضع کی روح اُن میں
آجائے۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کثرت سے وہ لوگ تھے
جو از سرتاپا دوسروں کے لباس کو اُس طریقہ سے پہنے ہوئے تھے جس کو میں بیان
کر چکا ہوں۔ تاہم میں ایک طبّاع شخص کے حالات بیان کرنے میں تامل کرونگا
جو خاکستری برجس اور گیٹس میں تھا اور محراب دار ٹوپ لگائے ہوئے تھا جسکی
طبیعت کا میلان گاؤں کے قدرتی سین کی طرف معلوم ہوتا تھا مگر جس کی سیر و
تفریح پرم روز ہل[1] تک محدود تھی اور ریجنٹس[2] پارک Regent's Park

(دونوں نوٹ صفحہ ۴۳ پر درج ہیں)

کی تنہائی اور خاموشی تک اُس کی رسائی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اُن ہارون اور رنگین فیتوں سے (جن کو اُس نے اُن تمام پُرانے شاعروں سے جھونٹے گاؤں کی سینری لکھی ہے حاصل کیا تھا) آراستہ کئے ہوئے تھا اور اپنے سر کو ایک طرف جھکائے ہوئے، اپنے خیال میں محو، شاید کچھ سبز کشت زاروں کا خیال کر رہا تھا۔ مگر وہ بڑا شخص جس نے میری توجہ کو سب سے زیادہ اپنی طرف مبذول کیا ایک بڈھا کاروباری اور دنیادار آدمی تھا جو پادریوں کی پوشاک پہنے ہوئے تھا اور جس کا سر بہت بڑا اور گول تھا لیکن بال ندارد تھے۔ وہ کمرے میں زور زور سانس لیتا ہوا اور سگرٹ کا دھواں اُڑاتا ہوا، مجمع کو چیرتا پھاڑتا اپنی مدد آپ کرنے والی نظر کے ساتھ ایک موٹی یونانی کتاب کو ہاتھ میں لیکر سر کے ایک طرف جس پر ایک خوفناک مصنوعی بالوں کی پیچدار ٹوپی رکھی ہوئی تھی بچاتا ہوا شان کے ساتھ نکل گیا۔

اِس ادبی کمرے میں "چور، چور" کی آواز ہر طرف سے کانوں میں آنے لگی میں نے دیکھا کہ وہ تصاویر جو چاروں طرف دیواروں پر لٹک رہی تھیں زندہ

لے پرم روز ہل کے معنی بسنتی گلاب کی پہاڑی کے ہیں لیکن یہ پہاڑی لندن کے شمال و مغرب میں واقع ہے اور سیر و تفریح کے لئے نہایت عمدہ مقام ہے۔

لے۔ یہ بھی لندن کے شمال و مغرب گوشہ میں واقع ہے۔ اِس میں باغ حیوانات بھی ہے۔

تمت

ہو گئیں۔ قدیم مصنّفوں نے تصویر کے کپڑے سے پہلے سر نکالا اور پھر بازو۔ اور کچھ دیر تک تعجب کی نظروں سے اپنے نیچے کے مختلف رنگوں کے کپڑے پہنے ہوئے آدمیوں کو دیکھا اور پھر غیظ و غضب کے ساتھ اپنی محنت سے کمائی ہوئی ملکیت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے نیچے اُتر پڑے۔ شور و غل اور پکڑ دھکڑ کی کیفیت جو اِس کے بعد پیش آئی احاطۂ بیان سے باہر ہے۔ بدقسمت مجرموں نے مالِ غنیمت کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کی۔ ایک طرف آدھے درجن پُرانے فقرا ایک موجودہ پروفیسر کے کپڑے اتار رہے تھے، دوسری طرف موجودہ ڈراما نویسوں کی قطار میں عجب تباہی اور لوٹ مار کے آثار ہویدا تھے بومینٹ اور فلیچر[1] پہلو بہ پہلو کیسٹر اور پالکس[2] کی طرح میدان میں حملہ کرتے ہوئے پھر رہے تھے اور مضبوط و قوی بین جانسن[3] نے فلانڈرس[4] Flanders کی فوج کے ایک رضاکار سے زیادہ دنگل کہلائے۔ وہ چست و چالاک اور کوتہ قامت شخص جس نے اپنے آپ کو

---

[1] بومنٹ اور فلیچر Beaumont and Fletcher نے ملکہ ایلزبیتھ کے عہد میں ملکر ڈراما لکھے ہیں جو ابتک مشہور ہیں۔

[2] کیسٹر اور پالکس Castor and Pallux دونوں توام بھائی تھے شہزوری اور شہسواری کے لئے مشہور ہیں۔

[3] بین جانسن Ben Jonson ملکۂ ایلزبیتھ کے زمانے کا مشہور ڈراما نویس ہے۔

[4] فلانڈرس موجودہ بجیم اور کچھ حصہ فرانس کا قدیم نام ہے یہاں مذہبی لڑائیاں بہت ہوئی ہیں

مترجم

دلق مرقع سے آراستہ کر رکھا تھا اور جس کا ذکر پہلے کہیں ہو چکا ہے کہ وہ مختلف چیزوں کو جمع کرتا پھرتا تھا اُس کے چاروں طرف اسقدر دعویدار جمع تھے جس قدر کہ پیٹروکلس[1] کی لاش کے گرد جمع ہو گئے تھے میں نے افسوس کے ساتھ بہت سے ایسے لوگوں کی حالت کو دیکھا جن کی عزت میں دل سے کرتا تھا اور جن کی قابلیت کا سکہ مجھ پر بیٹھا ہوا تھا کہ ذرا سا کپڑا چرانے کے لئے مجبور ہو گئے تاکہ اپنے برہنہ جسم کو ڈھانپ لیں۔ اتفاق سے اُسی وقت میری نظر اُس کاروباری بڈھے آدمی پر جا پڑی جو یونانی اون کی ٹوپی پہنے ہوئے تھا اور تیزی کے ساتھ وحشت زدہ حالت میں بھاگ رہا تھا اور نصف کوڑی مصنّف اُس کے پیچھے چلاتے ہوئے جا رہے تھے۔ وہ اُس کے قریب جا پہنچے اور ذرا سی دیر میں اُس کی اُون کی ٹوپی غائب ہو گئی۔ ہر منٹ میں اُس کے کپڑوں کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا اُس سے چھین لیا جاتا تھا۔ یہانتک کہ چند لمحوں میں وہ اپنی شان و شوکت کے درجے سے گر کر وہی چھوٹا سا گنجا آدمی رہ گیا اور کچھ چیتھڑے جو لوٹ کھسوٹ سے بچ رہے تھے اُنھیں لیکر غائب ہو گیا۔

اس علامہ تھیبان[2] Theban کی افسوس ناک حالت میں مسخراپن

---

[1] پیٹروکلس یونان کی طرف سے دشمنوں کے مقابلے میں نہایت جوانمردی سے لڑا۔ ایکلس کا بہت بڑا دوست تھا جس نے اس کے قاتل ہیکٹر سے اُس کے خون کا بدلہ لیا۔ اُس کی نلاش کی نسبت بہت جھگڑا ہوا تھا

[2] تھیبان کا حال الف الیلہ میں درج ہے۔ وہ ایک مشہور حکیم تسلیم کیا جاتا ہے۔ بہت قابل شخص تھا

مترجم

کا ایسا عنصر تھا جس نے مجھے غیر معمولی طور پر قہقہہ لگانے کے لئے مجبور کیا۔ میرا ہنسنا تھا کہ اس تمام خیالی سین کا خاتمہ ہوگیا۔ شور وغل اور جھگڑے کا پتہ نہ رہا۔ کمرے میں پھر وہی خاموشی پھیلی ہوئی نظر آئی۔ قدیم مصنف پھر تصویروں کے چوکٹوں میں واپس چلے گئے جو تاریکی میں متانت کے ساتھ دیواروں کے گرد لٹکے ہوئے تھے۔ قصہ مختصر میں نے اپنے آپ کو ایک کونے میں بالکل جاگتا ہوا پایا اور دیکھا کہ کتاب کے کیڑوں کی تمام جماعت تعجب کے ساتھ مجھے دیکھ رہی ہے۔ میرے خواب میں سے کسی واقعہ کی اصلیت کا پتہ نہیں چلتا تھا البتہ میری ہنسی دراصل وقوع میں آئی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ اُس متبرک اور قابل احترام جگہ میں اُس سے پہلے ایسی آواز کبھی نہیں سُنی گئی ہوگی۔ بہر حال میری ہنسی اُن عقلمندوں کے کانوں میں اسقدر ناگوار گزری کہ سب کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

لہذا لائبریرین Librarian صاحب میری طرف بڑھے اور مجھسے داخلہ کا کارڈ طلب کیا پہلے تو میں اُن کا مطلب نہ سمجھا مگر فوراً مجھے معلوم معلوم ہوگیا کہ یہ کتب خانہ ایک قسم کا محفوظ ادبی مقام ہے۔ جیسے انگلستان میں شکار کے میدان ہوتے ہیں جن میں کوئی شخص مالک کی اجازت کے بغیر شکار نہیں کھیل سکتا۔ الغرض میں ایک چور کی طرح مجرم کھڑا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کسی طرح جلد یہاں سے نکلوں کیونکہ مجھے خوف تھا کہ تمام مصنّف کہیں بھیڑیوں کے غول کی طرح مجھپر حملہ نہ کر بیٹھیں۔

ایک شکستہ دل

خوش آتا ہے بلبل کا ترانہ مجھکو دیتا ہے مزاغم کا فسانہ مجھکو
بیدرد نہیں میں کہ ہو مجھپہ اثر دھرتا ہے دھرے نام زمانہ مجھکو

یہ اُن لوگوں کا جن کے دل کسی کی آہ وزاری پر نہیں پسیجتے اور جن کی زندگی عیش اور لطف کے ساتھ بسر ہوتی ہے ایک عام شیوہ ہو گیا ہے کہ تمام عشق و محبت کے فسانوں کی ہنسی اڑائیں اور درد بھرے قصوں کو ناول نویسوں اور شاعروں کی مبالغہ پسند طبیعتوں کا نتیجہ قرار دیں۔ مگر انسانی طبیعت کے مطالعہ نے مجھے اِس کے خلاف رائے قائم کرنے کے لئے مجبور کیا ہے اور میرے دل پر یہ نقش کر دیا ہے کہ انسان خواہ ظاہر میں دنیا کے تفکرات کی وجہ سے سرد مہر ہو جائے یا سوسائٹی کے اثر سے ہشاش بشاش نظر آئے تاہم نہایت سرد مہر سینہ کے اندر بھی کچھ چنگاریاں ایسی خوابیدہ ہوتی ہیں جو ذرا سے اشارہ میں بھڑک اُٹھتی ہیں اور بعض اوقات اپنے شعلوں سے اس جسم خاکی کو فنا بھی کر ڈالتی ہیں۔ درحقیقت میں عشق کے دیوتا کی سچّے دِل سے پرستش کرتا ہوں اور مذہب عشق کے تمام عقائد کا معتقد ہوں۔ کیا مجھے صاف طور پر اقرار کر لینا چاہیئے کہ میں شکستہ دلوں کی آہ وزاری پر یقین رکھتا ہوں اور یہ بھی مانتا

ہوں کہ ناکامِ محبت اکثر اپنی عزیز جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ میں اِس مرضِ عشق کو نہ صرف مردوں ہی کے لئے مہلک پاتا ہوں بلکہ دیکھتا ہوں کہ بہت سی حسین عورتیں بھی اس مرض کی شکار ہوئی ہیں اور غنچوں کی طرح بن کھلے مُرجھا گئی ہیں۔

انسان (مرد) ایک ایسی مخلوق ہے جس کے حوصلے ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں اور جس کی حرص کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اُس کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ دُنیا کے جھگڑوں اور بکھیڑوں میں پھنس جائے۔ کبھی کبھی محبت صرف ابتدائی زندگی (نوجوانی) میں، اُس کے گلے کا ہار ہو جایا کرتی ہے ورنہ کبھی وہ شہرت کی تلاش کرتا ہے کبھی دولت کے پیچھے سرگرداں رہتا ہے کبھی دنیا کے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہہ قائم کرنا چاہتا ہے اور کبھی اپنے ہم جنسوں کے اوپر اپنی حکومت کا سِکہ بٹھانے کی فکر میں رہتا ہے۔

برخلاف اس کے عورت کی تمام زندگی محبت ہی محبت سے بھری ہوئی ہے۔ صرف دل ہی اس کی وہ دنیا ہے جس میں اس کا حوصلہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے اور اُس کی حرص، پوشیدہ خزانوں کی تلاش کرتی ہے کبھی اُس کی ہمدردی کسی دور دراز ملکوں کے سیّاح کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ کبھی وہ اپنا دل کسی تاجر کے ساتھ محبت کی تجارت میں لگا دیتی ہے اور اگر کبھی جہاز معہ مال تجارت غرق ہو جاتا ہے تو پھر اُس کی حالت ناقابل

علاج ہو جاتی ہے کیونکہ مال کے نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے مگر دل کے مال کے نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

ممکن ہے کسی مرد کے دل کو ناکامی محبت سے ناقابلِ برداشت صدمے پہونچے ہوں یا محبت کے خیالات نے دل میں گہرے زخم پیدا کر دیئے ہوں آرام وراحت کی اُمیدیں فنا ہو گئی ہوں مگر وہ ایک بے چین طبیعت کا مخلوق ہے۔ وہ اپنے خیالات کو مختلف کاموں میں لگا سکتا ہے یا مختلف اسباب خوشی سے دل بہلا سکتا ہے یا اگر ناکامی محبت آس پاس کی چیزوں کے خیال سے اور تکلیف دہ ہوتی ہو اور وہاں اُس کا علاج ممکن نہ ہو تو جب چاہے وہ اپنے مقام سکونت کو بدل سکتا ہے اور صبح کے خوشگوار جھونکوں کی طرح گویا پر لگا کر دنیا کے دوسرے سرے پر پہونچ سکتا ہے اور آرام سے رہ سکتا ہے

مگر عورت مرد کے مقابلے میں ایک ہی مقررہ مقام پر تنہائی اور خانہ نشینی کی حالت میں بسر کرتی ہے۔ اُس کے خیالات اور جذبات میں کوئی اُس کا شریک نہیں ہوتا۔ اگر وہ غم و رنج میں مبتلا ہو تو کون ہے جو اُسے تسلی دے اور اُس کا دل بہلائے؟ اُس کی قسمت اُس کے عاشقوں کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ اگر کبھی اس سے شوہر کے انتخاب میں غلطی ہو جاتی ہے تو اُس کے دل کی وہی کیفیت ہوتی ہے جیسی اُس قلعہ کی جس کا غنیم نے محاصرہ کر کے قبضہ کر لیا ہو اور اُس کو خراب حالت میں چھوڑ کر ویران کر دیا ہو۔

بہت سی روشن آنکھیں تاریک ہوجاتی ہیں بہت سے نازک اور گلاب کی طرح چمکتے ہوئے رخسار زرد پڑ جاتے ہیں بہت سی خوبصورت شکلیں مرجھا کر قبروں کی نذر ہو جاتی ہیں اور کوئی شخص نہیں بتلا سکتا کہ اُن کی خوبصورتی کے زوال کا باعث کیا ہے۔؟

جس طرح ایک فاختہ اپنے زخم رسیدہ بازو کو اپنے پروں میں چھپایا کرتی ہے اِسی طرح عورت اپنے صدمات جانکاہ کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کیا کرتی ہے ؟ کوئی خوبصورت اور نازک عورت کبھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتی بلکہ ہمیشہ خاموش اور محجوب رہا کرتی ہے۔ جب اُس کی شادی اُس کے چاہنے والے کے ساتھ ہوجاتی ہے اُس وقت بھی وہ اپنے خیالات کا اظہار کسی اور سے کیا اپنے آپ سے بھی نہیں کرتی لیکن اگر اپنے عشق میں وہ ناکام رہتی ہے تو سینہ کے سوراخوں میں اپنی محبت کو دفن کر دیتی ہے اور دل کی ویرانی میں اُس کو پھلنے پھولنے دیتی ہے۔ اُس کے دل کی خواہشیں مُردہ ہوجاتی ہیں، زندگی کی خوشی ہمیشہ کے لئے رخصت ہوجاتی ہے، وہ اُن تمام کاموں سے نفرت کرنے لگتی ہے جو انسان کے بدن میں ایک نئی روح پھونک دیتے ہیں اور زندگی کو خوشگوار بنا دیتے ہیں جن سے نبض کی حرکت میں تیزی آجاتی ہے اور چشمۂ حیات کا صاف خون رگوں کے ذریعے سے انسان کے بدن میں بہنے لگتا ہے۔ اُس کو آرام نہیں ملتا اور میٹھی نیند میں بھی خواب پریشاں سے

خلل آجاتا ہے۔ رنج اُس کا خون چوس لیتا ہے یہاں تک کہ اُس کا کمزور جسم ذرا سے بیرونی نقصان کے صدمے کی تاب لانے کے قابل نہیں رہتا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ اُس کی تلاش کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ خود عشق اُس کی مرگِ ناگہاں پر آنسو بہا رہا ہے اور حیرت کر رہا ہے کہ جس پر ابھی ابھی تندرستی اور خوبصورتی کی وجہ سے اس قدر رونق تھی وہی اس قدر جلد قبر کی تاریکی کے سپرد کر دی گئی۔ لوگ کہیں گے کہ تپ ولرزہ کی وجہ سے یا کسی اتفاقیہ سبب سے اُس کا انتقال ہوا مگر یہ خبر نہیں کہ اُس کے دماغ میں ایک کیڑا پیدا ہو گیا تھا جو اُس کے خون کو پہلے سے چوس رہا تھا اور جس نے اُس کو موت کا شکار بنا دیا۔

اُس کی مثال کسی ایسے نازک درخت کی سی ہے جو تمام ارد گرد کے درختوں کے لئے سرمایۂ ناز ہے جس پر خوبصورتی کا اطلاق ہوسکتا ہے جس کا تنہ بے حد خوبصورت ہے، جس کے پتے چمکدار ہیں مگر ایک کیڑا ہے جو گھن کی طرح اُس کو کھائے جاتا ہے۔ ہم اس کو اُس وقت جبکہ اُس کو نہایت موٹا تازہ ہونا چاہئے مرجھایا ہوا دیکھتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کی شاخیں یکے بعد دیگرے زمین پر گرتی جاتی ہیں اور اُس کے پتے ایک، ایک کرکے جھڑ رہے ہیں یہاںتک کہ وہ مرجھا جاتا ہے اور بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ وہ جنگل کی خاموشی کے ساتھ خود بھی خاموش ہو جاتا ہے اور جب ہم اُس خوبصورت درخت کی بربادی

پر غور کرتے ہیں تو ناحق کسی سخت آندھی یا بادل کی گرج کو اس کی تباہی کا سبب بتایا کرتے ہیں۔

میں نے بہت سی مصیبت زدہ اور عشق کی ستائی ہوئی عورتوں کو دیکھا ہے جنھوں نے اپنی تندرستی اور صحت کا مطلق خیال نہیں کیا بلکہ رفتہ رفتہ صفحۂ دنیا سے اس طرح معدوم ہوگئیں گویا کہ آسمان نے ان کو نیست ونابود کر دیا۔ بارہا میرے دل میں خیال آیا کہ انکی موت کا سبب دریافت کرنا کچھ مشکل نہیں چنانچہ دق۔ تپ لرزہ۔ کمزوری بیہوشی اور پژمردگی کی مختلف تبدیلیوں کے ذریعے میں ناکام عشق کی پہلی علامات تک جا پہونچا اور مجھے اُن کی موت کے سبب کا سُراغ لگ گیا۔ کسی شخص نے اسی قسم کی ایک حکایت مجھسے حال ہی میں بیان کی تھی۔ جہاں یہ واقعہ پیش آیا اُس ملک میں اس کے تمام حالات زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ میں ان کو جس طرح وہ مجھ سے بیان کئے گئے عرض کرتا ہوں ہر شخص کو نوجوان ـــــ کی جو آئرلینڈ کا محب وطن تھا دردناک کہانی یاد رکھنی چاہیے جو اس قدر موثر ہے کہ صفحۂ دل سے اس کا نقش جلد نہیں مٹ سکتا۔ آئرلینڈ میں جب شورش و بغاوت کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے وہ ماخوذ ہوا اور عدالت نے اُس کو مجرم قرار دیا چنانچہ بغاوت کے الزام پر اُس کو پھانسی دیدی گئی۔ تمام لوگوں کے دلوں پر اُس کی قسمت کے اس فیصلہ کا بہت گہرا اثر ہوا۔ وہ نوجوان تھا۔ بہت ذہین۔ نہایت فیاض تھا بہت بڑا بہادر الغرض

اُس کو اُن تمام باتوں میں کمال حاصل تھا جن کو ہم ایک نوجوان میں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ جب مقدمہ کی تفتیش اور تحقیقات ہو رہی تھی اُس وقت بھی اُسکا برتاؤ شاندار اور بہادرانہ رہا۔ وہ شریفانہ غصہ جس سے اُس نے اپنے ملک کو سر سے بغاوت کا الزام دور کیا اور وہ فصاحت جس سے اُس نے اپنے آپ کو اس الزام سے بَری کیا کہ بغاوت ہی کی وجہ سے اُس کی شہرت ہوئی اُس کی دل ہلا دینے والی اپیل جو اُس نے آیندہ نسلوں سے اُس نا امیدی کیوقت کی تھی جبکہ اُس کو سزائے موت کا حکم دیا جا رہا تھا۔ یہ تمام باتیں ہر ایک آزاد اور روشن خیال دل کے اندر اچھی طرح بیٹھ گئیں یہاں تک کہ اُس کے دشمنوں نے بھی گورنمنٹ کی اُس سخت پالیسی پر نکتہ چینی کی جس پر عمل کرنے سے اُس کو موت کی سزا دی گئی تھی۔

وہاں ایک اور بھی دل تھا جس کے غم و رنج کی حالت بیان کرنا احاطۂ امکان سے باہر ہے۔ اُس نوجوان نے اپنی مرفہ الحال اور بےفکری کے دنوں میں کسی خوبصورت اور پیاری لڑکی کی توجہ جو آئرلینڈ کے ایک مشہور اور مرجع بیرسٹر کی لڑکی تھی اپنی طرف منعطف کر لی تھی جس طرح ایک عورت پہلے پہل بلا وجہ اور بلا کسی نفع کے خیال کے محبت کیا کرتی ہے اِسی طرح وہ بھی اُس کو پیار کرتی تھی جب دنیا بھر اُس کے خلاف ہو گئی، جب اُس کی خوش قسمتی کا زمانہ ختم ہو گیا اور ذلت و تحقیر اور نامرادی و ناکامی نے اُس کا گھر

دیکھ لیا تو وہ باوجود اُس کی مصیبتوں کے اُس سے اور بھی زیادہ محبت کرنے لگی پس آپ خیال کرسکتے ہیں کہ جس وقت اُس کے دشمنوں کو بھی اُس کے ساتھ ہمدردی ہوگئی تھی اُس پر کیا گزری ہوگی اور اُس کے رنج وغم کا کیا ٹھکانا ہوگا جس کے دل ودماغ پر اُس کی تصویر نے پورا قبضہ کر لیا تھا۔ اُن لوگوں سے کہدو کہ جس کو تم دنیا میں سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اُس کے اور تمہارے درمیان مقبرہ کے دروازے بند ہوگئے ہیں۔ اور وہ تن تنہا دنیا سے رخصت ہوکر اُس پُرفضا اور دلکش مقام کی طرف جس کا نام جنت ہے جارہا ہے۔ لیکن اُس سوگوار پرنہ تیر کے خوفناک نظاروں نے نہ اُس دہشتناک حالت نے کچھ اثر کیا بلکہ دنیا میں کوئی شئے ایسی نہ تھی کہ جس سے اُس کی جدائی کے صدمے کچھ کمی آسکے اور اپنی یاد سے اُس کو تسلی دے سکے۔ نہ اُن محبت بھرے مگر درد ناک حالات نے جو جدائی کے وقت کو سخت بنا دیتے ہیں اور نہ کسی اور چیز نے جو آسمان کی شبنم کی طرح غم کو آنسوؤں کے ذریعے ہلکا کر دیتی ہے اُسکے صدمات اور رنج میں کچھ کمی پیدا کی۔

اُس کی مایوسی اور اُس کی تنہائی اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہو جاتی ہے جب ہم خیال کرتے ہیں کہ اِن دونوں کے باہمی تعلقات کو اِس کا باپ نظرِ استحسان سے نہیں دیکھتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے آبائی مکان کو چھوڑ کر چلی آئی تھی لیکن اگر دوستوں کی ہمدردی اور تلطف آمیز خدمتیں اُس کا ساتھ

دے سکتی تھیں جس پر صدمۂ جانکاہ پڑا تھا تو اُس کو پھر کسی تسلی و اطمینان کی ضرورت محسوس ہوتی کیونکہ اہل آئرلینڈ فیاض اور ہمدرد ہوتے ہیں۔

چنانچہ چند معزز اور دولتمند گھرانوں نے اُس کی نہایت غور و پرداخت کی۔ اُس کو ہر قسم کی سوسائٹی میں شریک کیا اور سب طرح کے اشغال اور تفریحوں کے ذریعے کوشش کی کہ وہ اپنے دل سے رنج و غم بھلا دے اور محبت کا وہ دردناک قصہ اُس کے ذہن سے دور ہو جائے۔ مگر یہ تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ مصیبت کے شعلے کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ روح کو جلا دیتے ہیں۔ خوشی اور فرحت اُس تک پہونچنے نہیں پاتی اور وہ ایسی پژمردہ ہو جاتی ہے کہ پھر کوئی پھول یا کلی اُس پر نہیں کھلتی۔

اُس نے کبھی خوشی اور تفریح کے جلسوں میں جانے سے انکار نہیں کیا مگر وہاں بھی وہ اُسی قدر تنہا رہتی تھی جتنی کہ تنہائی کے گوشوں میں وہ ادھر اُدھر غمگین خیالات میں محو ہو کر ٹہلا کرتی تھی۔ بظاہر اپنے اردگرد کی دنیا سے بے خبر رہتی تھی۔ اُس کے دل کے اندر غم پنہاں تھا جو دوستوں کی خوشیوں کو تضحیک کی نظر سے دیکھتا تھا اور اُس کو کسی نغمہ زن کی خوش الحانی کی طرف کبھی توجہ نہ کرنے دیتا تھا خواہ اُس نے ایسا اچھا گانا کبھی نہ سُنا ہو

اُس شخص نے جس نے مجھ سے یہ قصہ بیان کیا اُس کو ایک تماشہ گاہ میں دیکھا تھا۔ کسی گزشتہ سانحۂ غم کا اِس قدر تکلیف دہ اور موثر خیال اس مقام سے

بہتر نہیں ہوسکتا۔ وہ ایک مبہوت کی طرح اِدھر اُدھر پھرتی تھی غمگین تھی حالانکہ
چاروں طرف خوشی ہی خوشی نظر آتی تھی۔ اُس کو خوشی کے جال میں دیکھنے اور
افسردہ دل اور رنجیدہ پانے سے دل پر یہ اثر ہوتا تھا کہ خود خوشی بے فائدہ کوشش
کرتی ہے کہ اُس کے دل سے ایک دم کے لئے بھی رنج و غم کا اثر زائل کردے
شاندار کمروں اور بشاش مجمع میں اِدھر اُدھر پھرنے کے بعد بالکل محویت کی عالم
میں وہ تھیٹر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی اور کچھ عرصہ تک اِدھر اُدھر حیرت بھری نگاہ
سے دیکھتی رہی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُس نظارے سے بالکل بے خبر ہے۔
پھر اُس نے ایک بیمار دل کی تلون مزاجی کے ساتھ ایک غمگین راگ چھیڑا۔ اُس
کی آواز نہایت نفیس تھی مگر اِس موقع پر بہت سادگی کے ساتھ اور موثر پیرائے
میں اُس کے گانے نے ایک ستم رسیدہ دل کی کیفیت سنائی جس سے تمام مجمع
بالکل ساکت اور حیران رہ گیا اور ہر ایک کی آنکھ سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔
ایسے سچے اور نازک دل کے افسانہ نے ایسے ملک میں جو جوش کے لئے
مشہور رہے بڑی گہری دلچسپی پیدا کردی۔ ایک جواں مرد افسر اس حالت کو دیکھکر
اس کا گرویدہ ہوگیا۔ اور اس کی خدمت میں حاضر ہوکر شادی کے متعلق سلسلہ
جنبانی شروع کی اور خیال کیا کہ جو مردہ کے ساتھ اِس قدر سچی ہے زندہ کے
ساتھ وفادار اور با محبت ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتی۔ مگر اُس نے
شادی کرنے سے انکار کیا کیونکہ اُس کے خیالات اُس کے پہلے عاشق کی

یاد سے بالکل پرے تھے اُس جوان نے اصرار کیا اور کہا کہ نہ صرف تمہاری محبت مجھے اس بات پر آمادہ کرتی ہے بلکہ تمہاری تعظیم و تکریم جو میرے دل میں ہے وہ بھی مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں تم سے شادی کر لوں۔ غرض اپنی چرب زبانی کی وجہ سے اُس نوجوان نے اُس کے دل پر یہ نقش کر دیا کہ تم محتاجانہ اور بے سر و سامانہ زندگی بسر کرتی ہو کیونکہ تمہارے دوست تمہاری مدد کرتے ہیں۔ آخر کار وہ راضی ہو گئی مگر اُس نے صاف کہدیا کہ اُس کا دل دوسرے کا ہو چکا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

وہ اُسے سسلی لے گیا اِس خیال سے کہ شاید آب و ہوا سے اُس کے رنج و غم میں کچھ کمی آ جائے چونکہ وہ ایک حوصلہ مند اور قابل تقلید بیوی تھی اُس نے خوش ہونے کی کوشش کی مگر کوئی چیز اس کے اس خاموش اور روح فرسا درد و غم کی تلافی نکر سکی جو اس کے جسم میں سرایت کر گیا تھا۔ وہ رفتہ رفتہ ہلکان ہوتی گئی اور شکستہ دلی کی شکار ہو کر آخر کار دنیا سے رخصت ہو گئی۔



لٹریچر میں انقلاب

ویسٹ منسٹر ایبے میں ایک مکالمہ

مجھے معلوم ہے کہ جو کچھ آسمان کے نیچے ہے سب فنا ہو جائیگا اور جو
کچھ فانی انسان اس دنیا میں پیدا کرتا ہے وہ سب ایک نہ ایک
روز نیست و نابود ہو جائیگا' میں جانتا ہوں کہ وہ تمام شاعرانہ انداز
بیان اور فصاحت کے نئے نئے اسلوب جو جگر کاوی اور دماغ
سوزی سے پیدا کئے جاتے ہیں صرف اس خیال سے کہ چند اشخاص
سبحان اللہ اور واہ واہ کے نعرے بلند کریں فضول اور بیکار ہیں
کیونکہ خالی تعریف سے بڑھ کر اور کوئی چیز بے وقعت نہیں۔

ڈرمنڈ آف ہاتھورن ڈن Drummond of Hawthorndon

دماغ کی بعض نیم خواب آلودہ حالتوں میں ہم طبعاً شور وغل اور چہل پہل
سے جان چراتے ہیں اور کسی ایسی سنسان جگہ کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں ہم
اپنے خیالات میں محو ہو جائیں اور بغیر کسی مداخلت کے خیالی پلاؤ پکا سکیں
ایسی حالت میں اکثر تنہا میں ویسٹ منسٹر ایبے (Westminster Abbey

کی پُرانی اور کائی جمی ہوئی خانقاہ کے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا اور پراگندہ خیالات کے دریا میں غوطے لگا رہا تھا جس کو ہم سنجیدہ اور ممیز خیال کا سرچشمہ کہا کرتے ہیں جبکہ یکایک ویسٹ منسٹر اسکول کے کھلاڑی لڑکوں کی مداخلت نے جو فٹ بال کھیل رہے تھے اُس جگہ کی خاموشی کو برباد کر دیا اور اُن کے شور و غل سے محراب دار دروازے اور پُرانے مقبرے گونج اٹھے۔ میں نے اِس آفتِ ناگہانی سے بچنے کے لئے عمارتوں کے اندرونی کمروں میں گھسنا چاہا اور اسی خیال سے وہاں کے پاسبانوں میں سے ایک سے کتب خانہ میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ وہ مجھے ایک محراب دار دروازے میں لے گیا جو پُرانے زمانہ کی پچیکاری کے کام سے معمور تھا۔ لیکن امتدادِ زمانہ کی وجہ سے کہیں کہیں اُسکے نقوش مٹ گئے تھے۔ اِس کے بعد ایک تاریک گیلری میں ہو کر گزرنا پڑا۔ پھر ہم چیپٹر ہوس Chapter House اور بڑے کمرے میں پہنچ گئے جہاں ڈومسڈے بک[1] Doomsday Book محفوظ رکھی ہوئی ہے اُسی گیلری میں بائیں جانب ایک چھوٹا دروازہ ہے۔ اس محافظ نے اُس

---

[1] شاہ ولیم اوّل نے جو فاتح کے لقب سے مشہور رہے۔ ڈومسڈے بک تیار کرنیکا حکم دیا تھا۔ اس کتاب میں یا دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اِس رجسٹر میں انگلستان کی زمین کی قسمیں، زمینداروں اور کاشتکاروں کے نام اُن کے مویشیوں کی تعداد، مالگزاری وغیرہ وغیرہ یہ تمام حالات مندرج ہیں۔ یہ بادشاہ گیارھویں صدی عیسوی کے آخر میں تختِ انگلستان پر متمکن تھا۔

تنہا

دروازہ کو جس میں دو قفل پڑے ہوئے تھے کھولنا چاہا۔ ذرا دقّت کے ساتھ یہ دروازہ کھلا جس سے پتہ لگتا تھا کہ اُس کے کھولنے کی شاذ و نادر ضرورت پڑتی ہے۔ اب ہم نے ایک تنگ و تاریک زینے پر چڑھنا شروع کیا اور دوسرے دروازے میں سے گزر کر کتب خانے میں پہنچ گئے۔

میں نے اپنے آپ کو ایک عظیم الشان گول کمرے میں پایا جس کی چھت پرانے شاہ بلوط کے شہتیروں پر تھمی ہوئی تھی اور فرش سے مناسب بلندی پر گاتھک Gothic کھڑکیاں لگی ہوئی تھیں جن سے کافی روشنی آتی تھی اور باہر کے کمروں کا فرش بھی دکھائی دیتا تھا۔ آتشدان پر گرجا کے کسی بڑے مقتدر پادری کی پرانی تصویر شاندار کپڑوں میں لٹک رہی تھی۔ شاہ بلوط کی نقشی الماریوں میں کتابیں بند تھیں جو گول کمرے کے گرد ایک چھوٹی گیلری میں رکھی ہوئی تھیں۔ اُن میں سے زیادہ تر مناظرہ کی کتابیں تھیں جو استعمال کی نسبت امتدادِ زمانہ کی وجہ سے زیادہ خراب ہوگئیں تھیں۔ کتب خانے کے بیچوں بیچ صرف ایک میز رکھی ہوئی تھی جس پر دو تین کتابیں بھی پڑی ہوئی تھیں، ایک دوات تھی جس میں روشنائی نہ دارد اور چند قلم تھے جو بے استعمالی کی وجہ سے زنگ آلودہ ہوگئے تھے۔ یہ مقام خاموش تعلیم اور گہرے خیالات کے لئے موزوں معلوم ہوتا تھا گویا یہ ابیے کی مضبوط دیواروں کے درمیان دفن تھا اور اِس لئے دنیا کے شور و غل سے علیحدہ تھا میں صرف کبھی کبھی اسکول

کے لڑکوں کی آوازیں بیرونی کمروں میں سے خفیف طور پر سُنتا تھا اور نماز کے گھنٹے کی آواز بھی کان میں پڑتی تھی جس کی جھنکار ایسے کی چھتوں میں گونجتی تھی۔ رفتہ رفتہ خوشی کے نعروں کی آواز کم ہوتی گئی یہاں تک کہ بالکل غائب ہو گئی۔ گھنٹہ بجتے بجتے بند ہو گیا اور خاموشی ہی خاموشی تمام گرد آلودہ کمرے میں چھا گئی۔

میں نے ایک چھوٹی سی موٹی کتاب جس کی جلد عمدہ بندھی ہوئی تھی اٹھالی اور ایک میز کے گرد ایک پُرانی آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ اُس جگہ کی خاموش حالت اور متین کیفیت کی وجہ سے بجائے پڑھنے کے میرا وقت مختلف خیالات میں گزرنے لگا۔ جب میں نے اپنے گرد نظر اُٹھاکر پُرانی کتابوں کی بوسیدہ جلدوں کو جو الماریوں میں سجی ہوئی تھیں اور جن کے آرام میں بظاہر خلل اندازی نہیں کی گئی تھی دیکھا، میں کتب خانہ کو ایک قسم کا علمی دفینہ سمجھنے کے لئے مجبور ہوا جہاں کہ مصنفین مصر کی ممیوں کی مانند پاکیزگی کے ساتھ محفوظ رکھ دیئے گئے ہیں اور گوشۂ گمنامی میں چھوڑ دیئے گئے ہیں تاکہ آیندہ نسلیں اُن کو بھول جائیں۔

میں نے دل میں کہا کہ اِن جلدوں میں سے ہر ایک نے جواب اِس قدر بے پروائی کے ساتھ علیحدہ پھینک دی گئی ہیں کتنی مرتبہ مصنفوں کو دردِ سر کی تکلیف پہنچائی ہوگی؟ کتنے دن بے لطفی سے بسر ہوئے ہونگے؟ کتنی بے چین راتیں

گزری ہونگی؟ کیسے اُن کے مصنفین نے اپنے آپ کو تہ خانوں اور علیحدہ کمروں کی خاموشی میں دفن کیا ہوگا' دنیا سے علیحدہ ہوکر کام کیا ہوگا' اور قدرت کے خوبصورت مناظر کی دلچسپی کو ترک کیا ہوگا اور اپنا وقت تکلیف دہ تجسس و تلاش اور گہرے خیالات کی آورد میں صرف کیا ہوگا اور یہ سب کس واسطے؟ گرد آلودہ الماری کی ایک اینچ جگہ گھیرنے کے لئے' اپنی کتابوں کے نام آئندہ زمانہ میں بعض سُست پادریوں یا مجھ جیسے اتفاقیہ سیّاحوں سے کبھی کبھی پڑھے جانے کے لئے یہانتک کہ اُن کا نام بھی کوئی نہ جانتا ہو۔ یہ قدر ہے اس ابدالآباد تک رہنے والی یادگار کی؟ ایک عارضی اور ناپائدار شہرت' ایک مقامی آواز اُس گھنٹے کی آواز کی مانند جو ابھی ابھی گنبدوں میں گونج رہی تھی اور جس نے ایک لمحہ کے لئے ہمارے کان گُنگ کر دئے تھے۔ اِس کے بعد کبھی کبھی سُنائی دینے لگی اور آخر کار اِس طرح معدوم ہوگئی جیسے در اصل وہ تھی ہی نہیں۔

جب کہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا اور کچھ ان بیکار خیالات پر غور کرتا ہوا ایک ہاتھ سے اپنے سر کو سہارا دیکر بیٹھ گیا اور دوسرے ہاتھ سے اُس کتاب کو اُلٹنے پلٹنے لگا تو اتفاق سے وہ کتاب میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ اُس چھوٹی کتاب نے اِس طرح دو تین جمائیاں لیں جیسے کوئی آدمی گہری نیند سے اُٹھکر لیا کرتا ہے۔ پھر بھاری آواز میں بڑبڑائی اور آخر کار گفتگو کرنے لگی شروع شروع میں اُس کی آواز بہت کرخت اور شکستہ معلوم ہوتی تھی جس کی

وجہ شاید یہ ہوگی کہ کسی شایقِ علم مکڑی نے جو اُس کے اندر جالا پور رکھا تھا
اُس سے وہ گھبرا رہی تھی۔ علاوہ ازیں مدت دراز سے ایسی کی تنگ و تاریک
کوٹھری میں سردی سے ٹھٹری ہوئی پڑی تھی۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد اُسکی
آواز صاف سمجھ میں آنے لگی اور میں نے اُس کو نہایت تیز گفتار چھوٹی کتاب
پایا۔ بلاشبہ اُس کی زبان کسی قدر قدیم اور متروک تھی اور اُس کا تلفظ
آجکل یقیناً جاہلانہ سمجھا جائیگا لیکن حتی المقدور میں اُس کو موجودہ طرز گفتگو میں
لانے کی کوشش کرونگا۔

اُس نے دنیا کی ناقدری کی شکایت کرنی شروع کی اور کہا کہ کمالات
کی خوبیاں گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی ہیں اور ایسے ہی اور ادبی تنزل کے
معمولی مضامین پر گفتگو کی اور نہایت دردناک لہجہ میں شکایتاً کہا کہ دو صدیوں
سے میرے کھلنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ صرف پادری کبھی کبھی کتب خانہ کو
دیکھا کرتا تھا، بعض اوقات اِس کتاب کو نکال لیتا تھا، بعض اوقات
اُس کتاب کو۔ چند لمحوں تک اُس نے دل بہلایا اور پھر اُنھیں اُن کی جگہ
الماری میں رکھدیا۔ "لوگوں نے ہمیں کِس مرض کی دوا سمجھا ہے؟" اُس چھوٹی
سی کتاب نے جس کو میں نے دیکھا کچھ کچھ غصہ آنے لگا تھا کہا "لوگوں نے
ہمیں کس مرض کی دوا سمجھا ہے؟ کہ ہماری ہزاروں جلدیں پردہ نشین
حسینوں کی طرح یہاں بند کرکے رکھی ہیں جن کی گرجا کے بوڑھے ملازمین صرف

اِس خیال سے خبر گیری کیا کریں کہ پادری صاحب کبھی ہمیں دیکھ لیتے ہیں۔ کتابیں اس غرض سے لکھی گئی ہیں کہ وہ پڑھنے والوں کو خوش کریں اور پڑھنے والے اُن سے لطف اُٹھائیں اور میں یہ قاعدہ اگر میرے اختیار میں ہوتا بنا دیتی کہ پادری صاحب کم از کم سال بھر میں ایک مرتبہ ضرور ہم میں سے ہر ایک کو دیکھنے آیا کریں اور اگر یہ کام اُن کی طاقت سے باہر ہے تو ایک مرتبہ تمام ویسٹ منسٹر کے اسکول کو ہمارے دیکھنے کی اجازت دی جائے تاکہ کبھی کبھی ہم تازہ ہوا کھا سکیں۔

"آہستہ آہستہ، میرے لائق دوست!" میں نے جواب دیا "تمھیں معلوم نہیں کہ تم اپنے زمانہ کی بہت سی کتابوں سے کس قدر بہتر حالت میں ہو۔ اس قدیم کتب خانے میں جمع کر دینے کی وجہ سے تم اُن اولیا اور شاہانِ زمانہ کی قیمتی یادگاروں کی مانند ہو جو قریب کے گرجاؤں میں آرام سے زمین کے نیچے سو رہے ہیں حالانکہ تمہارے معاصر فانی انسانوں کی یادگاریں معمولی قانون قدرت کی متابعت کر کے عرصہ ہوا خاک میں مل گئی ہیں"

'جناب' چھوٹی کتاب نے اپنے اوراق کو پھڑ پھڑا کر اور پھول کر کہا "میں تمام دنیا کے لئے لکھی گئی تھی، ایک ایسے ہی کتاب کے کیڑوں کے لئے نہیں۔ میری اشاعت کا یہ منشا تھا کہ میں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتی جس طرح اور مشہور ہم عصر مصنفوں کی کتابیں جاتی ہیں، لیکن میں یہاں

دو صدی سے زیادہ عرصے سے بند پڑی ہوئی ہوں اور بہت ممکن تھا کہ ایک روز خاموشی کے ساتھ ان کتاب کے کیڑوں کی نظر ہو جاتی جو میری ہڈی پسلی چبانے کی فکر میں ہیں، اگر آپ اتفاقاً مجھے 'خاک میں ملنے سے پہلے' اِن چند الفاظ کے کہنے کا موقع نہ دیتے!"

"میرے اچھے دوست!" میں نے جواب دیا "اگر تمہاری اشاعت اِس طرح کی جاتی جس طرح تمہارا منشا ہے تو تمہارا اب سے بہت پہلے کہیں پتہ بھی نہ لگتا۔ تمہاری ظاہری حالت دیکھکر یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ تمہاری عمر بہت زیادہ ہے، تمہارے ہم عصروں میں سے بہت کم اِس زمانے میں موجود ہوں گے اور وہ بھی اپنی دیرپا زندگی کے لئے تمہاری طرح قدیم کتب خانوں کے جن میں وہ مدفون ہیں مرہونِ منّت ہیں جن کو مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ بجائے حرم سراؤں سے تشبیہ دینے کے زیادہ عمدگی اور شکر گزاری کیساتھ اُن شفا خانوں کے مانند کہا جا سکتا ہے جو مذہبی عمارتوں کے ساتھ اِس نظر سے ملحق کر دیئے جاتے ہیں کہ اُن میں بوڑھے اور کمزور آدمی آرام پائیں اور جہاں خاموشی کے ساتھ بغیر کسی کام کے یہ اپاہج اکثر اُس تعجب خیز عمر تک پہنچ جاتے ہیں جس میں اُن کا وجود نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ تم نے اپنے ہم عصروں کا ذکر اِس طرح کیا ہے گویا وہ ابتک مروج ہیں۔ اُن کی کتابیں کہاں دیکھنے میں آتی ہیں؟ ہم رابرٹ گروٹیسٹ آف لنکولن Robert Grotestc

of Lincoln کا کیا ذکر سنتے ہیں؟ کسی شخص نے اُس سے زیادہ اپنا نام یاد گار چھوڑنے کے لئے کوشش نہیں کی۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے دو سو کتابیں لکھی ہیں۔ اُس نے گویا کتابوں کا ایک مینار تعمیر کیا تھا جس سے اُس کا نام صفحۂ دنیا پر باقی رہتا، مگر افسوس وہ مینار مدت ہوئی کہ کہنہ اور فرسودہ ہو کر گر پڑا اور صرف کہیں کہیں اُس کے اجزائے پریشان کا نشان مختلف کتب خانوں میں پایا جاتا ہے جہاں قدیم اشیاء کے شایق کا ہاتھ بھی شاذ و نادر اُن کے آرام میں خلل انداز ہو سکتا ہے۔ ہم جیرالڈس کیمبرینسس Giraldus Cambrensis کا کیا حال جانتے ہیں جو مورخ، فلسفی، علم الٰہیات کا ماہر، شاعر اور قدیم اشیا کا دلدادہ تھا؟ اُس نے دو مرتبہ لاٹ پادری کے عہدہ کو نامنظور کیا تاکہ وہ علیحدہ کمرے میں بند ہو کر آیندہ نسلوں کیلئے کتابیں لکھے۔ لیکن آئندہ نسلیں بھول کر بھی اُس کی دماغ سوزی اور جگر کاوی کی تلاش نہیں کرتیں۔ ہنری آف ہنٹنگڈن Henry of Huntingdon ہی کو کون جانتا ہے؟ جس نے انگلستان کی عالمانہ تاریخ کے علاوہ نفرت دنیا پر ایک رسالہ لکھا جس کا بدلہ دُنیا نے بھی اُس کو فراموش کر دینے سے اُتارا۔ جوزف آف اگزیٹر Joseph of Exeter کا کیا حوالہ دیا جاتا ہے جس نے اپنے زمانہ میں قدیم زبانوں کی انشا پردازی میں معجز نمائی کا کام کیا تھا؟ اُس کی تین بڑی رزمیہ نظموں میں سے ایک تو ہمیشہ کے لئے سوائے

چند حصّوں کے نابود ہوگئی، باقی دو کا حال صرف وہی لوگ جانتے ہیں جو
علمِ ادب کی نہایت قدیم اور عجیب کتابوں کی تلاش میں رہا کرتے ہیں، رہیں
اُس کی عشقیہ نظمیں اور ہجویں وہ تو بالکل ہی نیست و نابود ہوگئیں۔ آج کل
جان والس دی فرانسسکن John Wallis the Fransiscan
کی کونسی کتاب مروج ہے جس نے شجر حیات کا لقب حاصل کیا تھا۔ ولیم
آف مامسبری William of Malmsbury
کا سائی میون آف ڈرہام Simeon of Durham کا بینیڈکٹ
آف پیٹربارد Benedict of Peterborough
کا جان ہنیول آف سینٹ البانس John Hanvill
of St. Alleans کا، فلاں کا اور فلاں کا کون نام جانتا ہے؟
چھوٹی کتاب نے ایک آزمایشی لہجے میں کہا "تم مجھے کس قدر قدیم
خیال کرتے ہو؟ تم اُن مصنفوں کا ذکر کر رہے ہو جو میرے زمانہ سے بہت پیشتر
گزرے ہیں اور جن کی تصنیفات یا فرانسیسی زبان میں ہیں یا لاطینی میں گویا
ایک طریقے سے اُنہوں نے اپنے آپ کو خود جلا وطن کرانے کا تہیّہ کیا اور وہ
فراموشی کے مستحق بھی تھے مگر میں جناب مشہور ونکن ڈی ورڈ Wynkyn
de Worde کے مطبع سے دنیا میں آئی تھی۔ میں اپنی مادری
زبان میں اُس وقت لکھی گئی تھی جبکہ زبان مقرر اور قائم ہو چکی تھی اور حقیقت

میں عمدہ خالص انگریزی کا نمونہ خیال کی جاتی تھی"

(مجھے یہ ظاہر کر دینا چاہیے کہ یہ خیالات اِس قدر کثرت کے ساتھ قدیم الفاظ میں ادا کئے گئے تھے کہ مجھے ان کو موجودہ زبان کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے ضرورت سے زیادہ دقت اٹھانی پڑی)

"میں معافی چاہتا ہوں" میں نے کہا "کیونکہ میں نے تمہاری عمر کا غلط اندازہ کیا، مگر اِس سے کچھ بحث نہیں تمہارے زمانہ کے تقریباً تمام مصنف گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں اور ڈی ورڈ کی شائع کی ہوئی کتابیں، کتابیں جمع کرنیوالوں کے نزدیک نایاب خیال کی جاتی ہیں۔ زبان کی صفائی اور عمدگی جسپر تم نے اپنے دعوے کی بنیاد رکھی ہے، ہر زمانہ کے مصنفوں نے یہانتک کہ لایق رابرٹ آف گلوسیسٹر Robert of Gloucester (جس نے اپنی تاریخ اصلی مقفیٰ سیکسن میں لکھی تھی) کے زمانہ تک کے کتاب نویسوں نے غلط بھروسہ کیا ہے، اب تک بھی بہت اشخاص سپنسر Spencer کے خالص انگریزی کے صاف چشمہ کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ گویا زبان ایک چشمہ یا کنوئیں سے نکلی ہے اور مختلف زبانوں سے مرکب نہیں جو دائمی انقلاب پذیر اور قابلِ تغیر و تبدل ہے۔ یہ وجہ ہے جس نے انگریزی علم ادب کو نہایت انقلاب پذیر بنا دیا ہے۔ پس جس شہرت کی بنیاد اِس پر قائم کی جائیگی وہ ضرور چندروزہ ہوگی تاوقتیکہ خیال، کو اس سانچے کی نسبت کسی زیادہ پائدار اور

مستقل شے میں نہ ڈھالا جائیگا، خیال کو بھی اور چیزوں کے ساتھ فنا ہونا پڑیگا۔
اِس سے نہایت مشہور مصنف کے غرور اور فخر کو بھی صدمہ پہنچنا چاہیے۔ اُسے معلوم
ہو جاتا ہے کہ وہ زبان جس پر اُس نے اپنی شہرت کی بنیاد رکھی ہے رفتہ رفتہ
بدلتی جاتی ہے اور زمانہ اور وقت کے رسم و رواج کی تبدیلی کے تابع ہے۔ وہ
پچھلے زمانہ پر نظر ڈالتا ہے اور اِس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اُسکے ہم وطن متقدمین کی جگہ
جو کبھی اپنے زمانے میں یکتائے دہر خیال کیے جاتے تھے متاخرین دکھائی دیتے
ہیں۔ چند مختصر قرنوں نے اُن کے نام کو پردہ خفا میں چھپا دیا ہے اور اُن کے
کمالات کی خوبیاں صرف کتاب کے کیڑوں کے قدامت پرست دماغوں کو
بامزہ کرتی ہیں اور وہ پہلے سے سوچتا ہے کہ یہی اُس کی کتابوں کا حال ہوگا،
اگرچہ اُس کے زمانے میں اُن کی بہت تعریف ہوتی ہے اور صفائی زبان کا
نمونہ خیال کی جاتی ہیں مگر اِستدادِ زمانہ کے باعث قدیم اور متروک ہو جائینگی۔
یہانتک کہ اُن کی زبان خود اپنے وطن میں اس قدر بعید از فہم ہو جائیگی جسقدر
اہرامِ مصر کے نقوش یا وہ کتبے جو صحرائے ترکستان میں پائے جاتے ہیں"
"میں تمھیں یقین دلاتا ہوں" ذرا جوش کے ساتھ میں نے یہ اور کہا "جب میں
کسی موجودہ کتب خانے کو دیکھتا ہوں کہ وہ نئی کتابوں سے پُر ہے جن کی نہایت
عمدہ مطلا جلدیں بندھی ہوئی ہیں، تو مجھے نیکدل ژرکسیز Xerxes
کی طرح رونا آجاتا ہے، جو اپنی فوج کا ملاحظہ کرنے کے بعد جو بڑی شان و شوکت سے

آراستہ تھی یہ خیال کرکے کہ ایک صدی کے اندر ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہیگا آنکھوں میں آنسو بھر لایا تھا"

"آہ" چھوٹی کتاب نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "اب میں سمجھی! یہ بات ہے۔ ان موجودہ بیہودہ لکھنے والوں نے تمام قدیم مصنفوں پر سبقت حاصل کرلی ہے میں خیال کرتی ہوں، سر فلپ سڈنی کی آرکیڈیا Sir Philip Sydney's Arcadia کے علاوہ آج کل اور کچھ نہیں پڑھا جاتا ہوگا سیک ول کے شاندار پلیز Sackville's Plays اور مرر فار مجسٹریٹس Miror for Magistrates یا لاجواب جان لیلی John Lyly کا ادق طرز بیان خلایق کی پسند طبع ہوگا۔

"تم نے پھر غلطی کی" میں نے کہا "جن مصنفین کی کتابیں تم سمجھتی ہو آجکل اس وجہ سے مروج ہونگی کہ اس وقت جب تمہاری خریداری کم ہوتی جارہی تھی تو یہ بہت بک رہی تھیں مدت سے گوشۂ گمنامی میں پڑی ہیں۔ سر فلپ سڈنی کی آرکیڈیا Sir Philip Sydney's Arcadia کا ذکر اب شاذ و نادر کیا جاتا ہے جس کی نسبت اس کی تعریف کرنے والوں نے نہایت زور سے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ کتاب ہمیشہ مقبول خلایق رہیگی اور جو درحقیقت عمدہ خیالات، نازک تصاویر اور زبان کی شستگی اور سلاست کی

پڑھے یسیک دل پردۂ خفا میں مستور ہے اور یلی کا بھی جسکی تصنیفات کبھی شاہی دربار کی تفریح کا باعث تھیں اور جن کی فقرات لوگوں کے دلنشین ہوجایا کرتے تھے اب کوئی اُس کا نام بھی نہیں جانتا۔ سب کے سب مصنّف جنھوں نے اس زمانہ میں تصنیفات کیں اسی طرح صفحۂ دنیا سے مع اپنی کتابوں اور بحث ومباحثہ کے معدوم ہوگئے ہیں۔ دریائے ادب کی پیہم امواج اُن کے اوپر سے گزر گئی ہیں اور اب وہ اس قدر گہرے پانی میں غرق ہوگئے ہیں کہ صرف کبھی کبھی کوئی جفاکش غوطہ زن بڑی محنت سے اُن کا کوئی جزو تلاش کرکے بطور نمونہ سطح آب پر لاتا ہے تاکہ متقدمین پرست لوگوں کی تفریحِ طبع کا باعث ہو۔"

"اپنے نزدیک" میں نے کہا "میں اس زبان کے تغیر و تبدّل کو خدائے بزرگ کے ایک دور اندیشانہ حفظ ما تقدم پر محمول کرتا ہوں جس سے تمام دنیا کا عموماً اور مصنفوں کا خصوصاً فائدہ متصور ہے۔ تشبیہاً ہم یہ دلیل پیش کرسکتے ہیں کہ ہم روزمرّہ نباتات کی مختلف اور خوبصورت قسموں کو دیکھتے ہیں جو اُگتی ہیں، پھلتی پھولتی ہیں، تھوڑے عرصہ تک کھیتوں کی آرایش کا سامان ہوتی ہیں اور آخرکار مرجھا کر خاک میں مل جاتی ہیں اور اپنے جانشینوں کے لیے رستہ چھوڑ دیتی ہیں۔ اگر یہ حالت نہ ہوتی تو قدرت کی رنگا رنگ گلکاریاں اور کثرتِ نباتات بجائے رحمت کے زحمت ہوجاتیں۔ زمین کثرتِ نباتات کی شکایت کرتی اور سطح زمین بالکل ایک جنگل کی طرح ہوجاتی

اِسی طرح عالموں اور طبّاع لوگوں کی تصنیفات زائل ہوتی رہتی ہیں اور آیندہ کتابوں کے لئے جگہ چھوڑتی جاتی ہیں۔ زبان رفتہ رفتہ بدلتی رہتی ہے اور اُسکے ساتھ اُن مصنّفوں کی کتابیں بھی زائل ہوتی رہتی ہیں جنھوں نے اپنے خاص زمانہ میں نام پیدا کیا تھا، ورنہ ذہن وجودتِ طبع دُنیا میں ضرورت سے زیادہ کتابیں پیدا کر دیتی اور دماغ ادب کے بے شمار ذخیرہ سے بالکل مبہوت ہو جاتا۔ پہلے زمانہ میں اِس کثرتِ تصنیف میں کچھ رکاوٹیں تھیں۔ کتابیں ہاتھوں سے لکھی جاتی تھیں اور یہ کام دیر میں اور بہت محنت سے ہوتا تھا، وہ یا تو جھلّی پر لکھی جاتی تھیں جو قیمتی ہوتی تھیں، یہانتک کہ اکثر ایک کتاب کو تراش دیتے تھے اور اُس پر دوسری کتاب لکھتے تھے یا پیپرس Papyrus پر جو آسانی سے ٹوٹ جاتا تھا اور جلد خراب ہو جاتا تھا۔ فنِ تصنیف ایک محدود اور غیر مفید پیشہ تھا جس میں اکثر گرجا کے فقراء اپنی فرصت اور آرام کے اوقات میں خانقاہوں کے کمروں میں مصروف رہتے تھے۔ قلمی نسخوں کے فراہم کرنے میں دشواری ہوتی تھی اور صرفِ کثیر کرنا پڑتا تھا اور یہ کام قریب قریب خانقاہوں تک محدود تھا انھیں حالات کی وجہ سے کسی حد تک ہمنے متقدمین کے خیالات سے کافی فائدہ نہیں اُٹھایا، اُن کی جودتِ طبع کے چشموں سے ہم مستفیض نہیں ہوئے اور موجودہ تیز فہمی اُن کے خیالات کے طوفان میں غرقاب نہیں ہوئی مگر چھاپہ اور کاغذ کی ایجاد نے اِن تمام رکاوٹوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اُنھوں نے ہر شخص کو مصنّف

بنا دیا ہے اور ہر دماغ کو اپنے خیالات کتابوں میں ظاہر کرنے اور تمام دماغی دنیا میں شائع کرنے کے قابل کر دیا ہے۔ اِس ایجاد کے نتائج تعجب خیز ہیں۔ علم ادب کا نالہ کناروں سے اُبل چلا ہے، دریا بن گیا ہے بلکہ سمندر ہو گیا ہے۔ چند صدی پہلے پانسو یا چھ سو قلمی کتابیں ایک بڑا کتب خانہ خیال کی جاتی تھیں مگر تمہاری رائے ایسے کتب خانوں کی نسبت کیا ہو گی جن میں تین چار لاکھ کتابیں موجود ہوں، سیکڑوں مصنف ایک ہی وقت میں کام کر رہے ہوں اور مطابع نہایت زور کے ساتھ روز بروز بڑھتے جا رہے ہوں اور کتابوں کی تعداد دونی اور چوگنی ہو رہی ہو؟ تاوقتیکہ کوئی اتفاقیہ وبا میوز[1] Muse کے بچوں میں نہ پھیلے، اب کہ وہ اس قدر بچے دے رہی ہے کہ مجھے آیندہ نسل کا خوف ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ آیندہ زبان کی تبدیلی کافی نہ ہو گی۔ تنقید سے اس بارہ میں بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ یہ فن ادب کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے اور اُن آبادی کی رکاوٹوں کے مشابہ ہے جن کا ذکر سیاست مدن کے عالم کیا کرتے ہیں۔ اِس واسطے نقادانِ فن کی کثرت میں خواہ بڑے ہوں یا بھلے حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ یہ سب بے سود ہو گا، تنقید کو جو کچھ وہ کرے کرنے دو، لکھنے والے لکھیں گے، چھاپنے والے چھاپیں گے اور دنیا آخر کار اچھی کتابوں سے بھر جائیگی۔ پس تھوڑے دنوں میں کسی شخص

---

[1] علم ادب اور فنونِ لطیفہ کی دیوی کا نام میوز Muse ہے۔

کی زندگی صرف کتابوں کے نام جاننے کے لئے کافی نہوگی۔ بہت سی اشخاص جن کی معلومات آجکل بجید وسیع ہیں بجز رسالوں کے پڑھنے کے اور کچھ نہیں پڑھتے اور بہت جلد وہ زمانہ آنے والا ہے جبکہ ایک عالم ایک گھومنے والی فہرست کتب سے زیادہ بہتر نہ ہوگا۔

"میرے مہربان!" چھوٹی کتاب نے میرے چہرے کے سامنے ایک خشک جمائی لیکر کہا "میرے دخل در معقولات کو معاف فرمائیے۔ لیکن میں دیکھتی ہوں کہ آپ زیادہ ترسیچ کہہ رہے ہیں۔ میں ایک مصنف کا حال دریافت کرتی ہوں جس کی کچھ کچھ شہرت ہو رہی تھی جب میں نے دنیا کو چھوڑا۔ اُس کی شہرت بہرحال عارضی خیال کی جاتی تھی، عالم اُس کا نام سنکر ناک بھوں چڑھاتے تھے کیونکہ وہ بیچارہ نیم تعلیم یافتہ شخص تھا جو لاطینی زبان بالکل نہیں جانتا تھا اور یونانی سے محض بے بہرہ تھا اور امیروں کے محفوظ جنگلوں میں سے ہرن چرانے کے لئے مارا مارا پھرتا تھا۔ مجھے خیال ہے اُس کا نام شیکسپیر تھا۔ میں فرض کئے لیتی ہوں کہ وہ نا گوشۂ گمنامی میں جا پڑا ہوگا۔"

"برخلاف اِس کے" میں نے کہا "یہ اُس شخص کے قدموں کی برکت ہے کہ اُس کے زمانہ کا علمِ ادب معمول سے زیادہ دیرپا رہا ہے۔ اکثر ایسے مصنف پیدا ہوتے ہیں جن پر زبان کی تبدیلی کا اثر (بظاہر معلوم ہوا کرتا ہے) نہوگا وہ انسانی خصلت کے ناقابلِ تغیر اصول کو خوب سمجھتے ہیں۔ لیکن

وہ اُن عظیم الشان درختوں کی مانند ہوتے ہیں جو کسی دریا کے کنارے پر کھڑے ہوں اور جو اپنی بڑی اور گہری جڑوں سے، جو سطحِ زمین میں خوب گڑی ہوتی ہیں اور مٹی کو خوب مضبوط پکڑے رہتی ہیں، اپنے گرد کی مٹی کو ہمیشہ بہنے والی دھار سے محفوظ رکھتے ہیں اور بہت سے پودوں کو قائم رکھتے ہیں اور شاید بیکار سرکنڈوں کو ہمیشہ تک قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں؛ یہی حال شیکسپیر کا ہے جس کو ہم زمانہ کی دست برد سے محفوظ دیکھتے ہیں اور جس کی زبان آجکل بھی مستعمل ہے اور جس نے بہت سے مصنفوں کو صرف اِس وجہ سے دیرپا بنا دیا ہے کہ اُسکے قریب کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن وہ بھی (مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے) رفتہ رفتہ زمانہ کا اثر قبول کرتا جاتا ہے اور اُس کی اصلی زبان کو شارحوں کی کثرت نے اِس طرح بدل ڈالا ہے جیسے انگور اور معمولی بیلیں قریب قریب اصلی درخت کو جس کے گرد چمٹی رہتی ہیں اپنے سینے کے اندر دفن کر لیتی ہیں یعنی بالکل چھپا لیتی ہیں۔

یہاں چھوٹی کتاب نے اپنے بازوں کو اُٹھانا اور آواز نکالنا شروع کیا۔ یہانتک کہ آخرکار اُس نے بہت زور سے قہقہہ لگایا اور وہ ہنسی سے بیتاب ہو گئی اور اُس کا دم پھُول گیا۔ "بہت خوب!" وہ چلّائی جسقدر جلد وہ اپنا سانس درست کر سکی "بہت خوب! اور اس طرح تم مجھے یقین دلانا چاہتے ہو کہ اُس زمانے کا علمِ ادب ایک بدمعاش ہرن کے چور کی بدولت باقی ہے؟ اس

آدمی کی بدولت جس کو ایک حرف نہیں آتا تھا۔ ایک شاعر کی بدولت غالباً ایک شاعر، اور اِس پر پھر اُس نے بہت زور سے قہقہہ لگایا۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ یہ بیہودہ برتاؤ کسی قدر مجھے ناگوار گزرا جس سے بہرکیف میں نے اس خیال سے درگزر کیا کہ وہ ذرا کم تہذیب کے زمانہ میں لکھی گئی تھی لیکن باوجود اِس کے میں نے ارادہ کیا کہ میں مسئلہ زیر بحث سے دست بردار نہ ہونگا۔

"ہاں" میں نے پھر تیقن کے ساتھ کہا "ایک شاعر! کیونکہ اُسے تمام مصنّفوں سے زیادہ عمدہ موقع اپنی یادگار دنیا میں قائم رکھنے کا ملا ہے۔ اور دماغ سے لکھتے ہیں اور وہ دل سے لکھتا ہے، پس جو کچھ وہ لکھتا ہے دل ہی میں جا اُترتا ہے وہ قدرت کے مناظر کی نہایت عمدہ تصویر کھینچتا ہے جسکی خوبیاں ہمیشہ یکساں رہتی ہیں اور دلچسپ معلوم ہوتی ہیں۔ نثار بے انتہا اور بکثرت ہیں صفحے کے صفحے معمولی باتوں سے بھرے ہوئے ہیں اور اُن کے خیالات آخرکار ناگوار معلوم ہونے لگتے ہیں لیکن ایک اصلی شاعر کے نزدیک ہر چیز صاف، دل کو لبھانے والی اور روشن ہوتی ہے۔ وہ نہایت عمدہ خیالات کو نہایت عمدہ زبان میں بیان کرتا ہے۔ وہ اُن کو ہر ایک اُس چیز سے جس کو وہ قدرت کے کارخانے میں یا ہنر اور فن میں نہایت عجیب دیکھتا ہے مثال دیکر سمجھاتا ہے، وہ انھیں انسانی زندگی کی تصویروں سے مالامال کر دیتا ہے جو روزمرّہ اُس کی آنکھوں کے

سامنے گزرتی ہیں۔ لہٰذا اُس کی تصنیفات میں وہ روح، وہ خوشبو (اگر میں اُسے
اِس نام سے موسوم کر سکتا ہوں) اُس زمانہ کی پائی جاتی ہے جس میں وہ
زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ اُن ٹوکریوں کی مانند ہوتی ہیں جو اپنے محدود دائرے
میں زبان کی دولت اور اُس کے جواہرات کو بند کر لیتی ہیں اور جن کو اِس طریقہ
سے آیندہ نسلوں تک آسانی کے ساتھ پہنچایا جاتا ہے۔ طرزِ بیان اکثر اوقات
پُرانا ہو جائے اور اِس بات کی کبھی کبھی ضرورت پیش آئے کہ اُسے دوسرے
طریقہ پر بیان کریں جیسے کہ چاسر[1] Chaucer کا حال ہے۔ لیکن
جواہرات کی چمک اور اصلی قیمت نہیں بدلتی۔ علمِ ادب کی تاریخ پر نظر ڈالو!
کس قدر سستی کی مہیب وادیاں نظر آتی ہیں جو راہبوں کے قصوں اور بحث
و مباحثہ سے پُر ہیں۔ کتنی علمِ الٰہیات کی دلدلیں ہیں! کتنے علمِ تصوّرات کے
خشک میدان ہیں۔ صرف کہیں کہیں شاعرانِ[2] نازک خیال کی زیارت ہو جاتی
ہے جو بطور نشانات اصفحاتِ زمانہ پر باقی ہیں تاکہ شاعرانہ فہم و ذکاوت کی صاف

---

[1] چاسر انگریزی زبان میں سب سے پہلا شاعر ہوا ہے اور وہی انگریزی شاعر کا موجد شمار کیا
جاتا ہے۔

[2] شاعروں کا قلم عقلمندی سے زمین اور سمندروں میں گزرتا ہے اور دنیا کی خرابیوں کو جڑ سے اکھاڑ
دیتا ہے اور ہر ایک زندہ شخص کی بھلائی اور بُرائی کو آئینہ کی طرح صاف نمایاں کر دیتا ہے وہ شہد جو مکھیاں
اپنے چھتے میں جمع کرتی ہیں اسقدر شیریں نہیں ہوتا جسقدر کہ لطیف نظم کی وہ سنہری پتیاں جو شاعر
کے دماغ سے جھڑتی ہیں شاعری ہماری معمولی خیالات سے اسقدر بلند ہوتی ہے جسقدر کہ سیلسیل (ملاؤں) سے
چرچ یارڈ Churchyard

روشنی کو ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ تک پہنچاتے رہیں۔

میں زمانۂ حال کے شاعروں کی قصیدہ گوئی میں مصروف ہونے والا تھا۔ جبکہ دروازے کے یکایک کھلنے نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ پاسبان تھا جو مجھے اطلاع دینے آیا تھا کہ اب کتب خانہ بند کرنے کا وقت آگیا ہے۔ میں نے چاہا کہ چھوٹی کتاب سے کچھ رخصتی الفاظ کہوں لیکن لایق چھوٹی کتاب خاموش تھی اور اُس کے بازو بند ہوگئے تھے۔ وہ اُن واقعات سے جو گزر چکے تھے بالکل بے خبر معلوم ہوتی تھی۔ میں اُس وقت سے ابتک دو تین مرتبہ کتب خانہ میں گیا اور اُس سے پھر ہمکلام ہونے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی اور آیا یہ تمام پریشان مکالمہ دراصل وقوع میں آیا یا یہ اُن نامعقول خوابوں میں سے ایک ہے جن کا میں مریض ہوں، میں آج تک اس بات کو معلوم نہیں کر سکا۔



امریکہ[1] انگریز مصنّفین کے زاویۂ نگاہ سے

"میرا خیال ہے کہ میں اپنے دماغ میں ایک شریف اور طاقتور قوم کو دیکھتا ہوں جو خوابِ راحت کے بعد ایک قوی آدمی کی طرح کھڑی ہوئی ہے اور اپنی ناقابلِ تسخیر قیود پر غالب آرہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں اُسے ایک شہباز کی طرح اپنی شہزورجوانی کا رنگ اختیار کرتے ہوئے اور اپنی چکاچوند ہونیوالی آنکھوں کو شعاعِ نیمروز سے روشن کرتے ہوئے دیکھتا ہوں"

ملٹن

یہ نہایت افسوس ناک بات ہے کہ مابین انگلستان و امریکہ ادبی مخالفت روز بروز ترقّی پذیر ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ کی نسبت حال میں بہت

[1] یہ مضمون واشنگٹن ارونگ کی کتاب اسکیچ بک سے ترجمہ کیا گیا ہے جو ۱۸۱۹ء میں شائع کی گئی تھی (ممالک متحدہ) امریکہ ۱۷۸۱ء میں انگلستان کے پنجہ سے آزاد ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے دونوں ممالک میں حسد و رقابت کا بازار گرم تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس مضمون کا دونوں ممالک پر کیا اثر ہوا لیکن اسکے بعد حسد و رقابت کی آگ ضرور سرد ہو گئی اور ارونگ نے جو پیشین گوئی کی تھی کہ امریکہ انگلستان کی مصیبت میں اُس کا ہمدرد و رفیق ثابت ہو سکتا ہے وہ جنگِ عظیم میں ایک صدی بعد پوری ہوئی اور انگلستان کو امریکہ کی بدولت جرمنی کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوئی۔

تنہا

دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اور لندن کے مطابع جمہوری سلطنت کے سفرناموں سے پُر ہیں لیکن اُن کا منشار واقفیت کی بجائے غلط فہمی پھیلانا معلوم ہوتا ہے اور وہ اِس بارہ میں اِس قدر کامیاب ہو گئے ہیں کہ دونوں قوموں کے متواتر ربط ضبط کے باوجود دنیا کی کوئی قوم بھی ایسی نہیں ہے جس کے بارہ میں برطانیہ کی آبادی کے ایک بڑے حصّے کو اِس قدر کم صحیح اطلاعات ہوں یا اسقدر کثیر التعداد تعصبات اُس کے دل میں جاگزیں ہوں۔

دنیا میں انگریز سیّاح بہترین بھی ہیں اور بدترین بھی۔ جب غرور یا نفع کا خیال دل میں موجزن نہ ہو تو عمیق اور فلسفیانہ سماجی خیالات میں یا بیرونی اشیاء کی واقعی اور ہو بہو تصویر کھینچنے میں کوئی اُن کی برابری نہیں کر سکتا لیکن جب اپنے ملک کی شہرت یا بہبودی کسی دوسرے ملک سے تصادم کرتی ہے تو وہ مخالفت کی انتہائی سرحد پر جا پہنچتے ہیں اور اپنی صداقت اور دیانت کو جو اُن کا معمول ہے نا ملائم طعن و تشنیع اور بد مذاق تمسخر سے لطف اندوز ہونے میں فراموش کر جاتے ہیں۔

پس اُن کی سیاحت اُسی قدر زیادہ صحیح اور درست ہو گی جسقدر کہ وہ ملک جس کا وہ حال بیان کریں اُن سے دور ہو گا۔ پس اُن ممالک کی نسبت جو دریائے نیل کے آبشاروں سے اُدھر واقع ہیں یا غیر دریافت شدہ جزائر کے بارہ میں جو بحیرۂ زرد میں ہیں، یا ہندوستان کے اندرونی

حصص یا کسی دوسرے قطعۂ زمین کی بابت جس کو دوسرے سیاح اپنے تخیّل کی بلند پروازی سے دکھلانے کے لئے تیار ہوں انگریز کے بیان پر فوراً اعتماد کر لوں گا لیکن میں اُس کے قریبی ہمسایوں یا اُن قوموں کے بیان کردہ حالات کو جن سے وہ بعید ملتا جلتا رہتا ہے احتیاط کی نظر سے دیکھوں گا۔ بالفاظِ دیگر میں اُس کی دیانت پر اعتماد کرنے کے لئے کیسا ہی آمادہ کیوں نہ ہو جاؤں لیکن میں اُس کے تعصّبات پر بھروسہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

ہمارے ملک کی یہ عجیب قسمت ہے کہ اُس کو بدترین انگریز سیّاحوں سے ہی واسطہ پڑا ہے۔ جبکہ فلسفی اور روشن خیال لوگوں کو انگلستان سے قطبین کا حال معلوم کرنے، صحراؤں کو عبور کرنے اور وحشی قوموں کے عادات و اطوار مطالعہ کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے جن کے ساتھ اُنکے ملک کو کوئی مستقل نفع یا خوشی کا رابطہ نہیں ہے تو یہ کام ٹوٹے پھوٹے تاجر، خیالی پلاؤ پکانے والے شخص، آوارہ گرد مزدور، یا مینچسٹر اور برمنگھم کے گماشتے کیلئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ امریکہ کے بارہ میں انگلستان کو واقفیت بہم پہنچائے۔ اِن ذریعوں سے انگلستان ایسے ملک کے واقفیت حاصل کرنے پر قانع ہے جو اخلاقی اور جسمانی ترقّی کی عجیب شاہراہ پر گامزن ہے۔ ایسا ملک جس میں دنیا کی تاریخ کے سب سے بڑے سیاسی تجربوں میں سے ایک پر اس وقت عمل کیا جا رہا ہے اور جو فلسفی اور مدبّر کے لئے نہایت عمیق اور اہم مطالعہ کا سامان پیش کرتا ہے۔

یہ بات کہ ایسے اشخاص امریکہ کے حالات تعصب کے ساتھ بیان کریں
تعجب خیز نہیں ہے۔ وہ غور طلب مضامین جو یہ پیش کرتا ہے اس قدر وسیع
اور بلند ہیں کہ وہاں تک انکی رسائی نہیں ہوسکتی۔ قومی مسلک ابھی خام ہے اور
حالتِ پختگی میں ہے۔ ممکن ہے اس میں جھاگ اور تلچھٹ ہو لیکن اس کے اجزاء
صحیح اور مفید ہیں۔ اس نے شجاعت اور فیاضی کے ثبوت پہلے ہی سے فراہم
کردیے ہیں اور مجموعی حیثیت سے کسی نہ کسی نفیس شے میں اس کے تبدیل ہونے کی
اُمید ہے۔ لیکن وہ اسباب جو اُس کو مضبوط اور شریف بنانے میں مصروف
ہیں اور اس کی قابلِ تعریف صفات کا روزانہ اظہار یہ تمام باتیں ان تنگ نظر
لوگوں پر کچھ اثر نہیں ڈالتیں اور اُن چھوٹی چھوٹی سختیوں سے جو اُسکی موجودہ حالت
کا اقتضاء ہیں متاثر ہوتے ہیں۔ وہ صرف سطحی معاملات کو سمجھنے کی استعداد
رکھتے ہیں، اُن معاملات کو جو اُن کے نجی مفاد اور ذاتی منافع سے متعلق ہیں۔
وہ اُن چھوٹے چھوٹے آرام و راحت کے سامانوں سے محروم رہتے ہیں جو ایک
قدیم، خوب آراستہ، اور ضرورت سے زائد آباد قوم کی حالت کا حصّہ ہوتے
ہیں جہاں مفید محنت کے تمام درجے پُر ہو جاتے ہیں اور اکثروں کو خواہش
اور تعیش کے توہمات کو مطالعہ کرنے سے تکلیف دہ اور ذلیل معاش پیدا
کرنی پڑتی ہے۔ لیکن تنگ نظر لوگوں کی نگاہ میں یہ چھوٹے چھوٹے آرام ہی
سب کچھ ہیں یا اُن کو نظر نہیں آتا یا وہ اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔

کہ جن عظیم برکات کا حصّہ ہم کو عام طور پر ملا ہے وہ ان سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔

غالباً وہ کسی فوری نفع کی بیجا توقعات میں ناکام رہے ہیں۔ غالباً انھوں نے امریکہ کو ایک سونے کی کان سمجھا تھا جہاں سونا اور چاندی بافراط تھا اور دیسی لوگ فہم فراست کے حصہ دار نہ تھے اور جہاں وہ یکا یک تعجب خیز طریقہ پر کسی غیر متوقع لیکن آسان طریقہ سے مالدار ہو جاتے۔ وہی دماغی کمزوری جو فضول توقعات سے پُر ہے مایوسی میں چڑچڑا پن پیدا کر دیتی ہے۔ ایسے اشخاص اُس ملک کے جانی دشمن بن جاتے ہیں جب اُنھیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جیسا کہ ہر جگہ کوئی شخص بھی اُس وقت تک فصل درو نہیں کر سکتا جب تک کہ اُس نے بیج نہ بویا ہو، ظاہر کہ ہر شخص محنت اور دماغ سے دولت حاصل کر سکتا ہے اور قدرت کی عام مشکلات اور ایک ذہین اور حوصلہ مند قوم کی ہوشیاری کا مقابلہ کر کے کچھ کما سکتا ہے۔

شاید غلط فہمی یا ہر قسم کی مہمان نوازی کی وجہ سے یا اجنبی کو ہر وقت خوش اور بشاش رکھنے کے خیال سے جو میرے ہم وطنوں میں پایا جاتا ہے امریکہ میں اُن کو غیر معمولی عزت کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور چونکہ وہ تمام عمر اپنے آپ کو عمدہ سوسائٹی سے فرو تر سمجھتے رہے ہیں اور اُنھوں نے فروتنی کے غلامانہ احساس میں نشو ونما پائی ہے لہٰذا وہ تہذیب کی معمولی

استعمال پر مغرور بن جاتے ہیں اور اپنی برتری کو دوسروں کی حقارت میں صرف
کرتے ہیں، اور اُس سوسائٹی کی تحقیر کرتے ہیں جہاں کوئی مصنوعی امتیاز نہیں
ہے اور جہاں ایسے افراد جیسے کہ وہ خود ہیں کسی اتفاق سے بڑے
آدمی ہو سکتے ہیں۔

لیکن ہر شخص یہ خیال کرے گا کہ جو اطلاعات ایسے ذرائع سے
ایسے مضمون پر جہاں حقیقت و واقفیت نہایت ضروری ہیں محتسبان
مطابع کو وصول ہوتی ہوں گی وہ اُن کو با احتیاط کام میں لاتے ہونگے
اور یہ کہ اِن اشخاص کے مقاصد، اِن کی تحقیق و تدقیق کے مواقع اور
صحیح رائے قائم کرنے کی استعداد کو سختی کے ساتھ جانچ لیا جاتا ہوگا
قبل اس کے کہ اِن کی شہادت کو اپنی ہی جیسی قوم کے خلاف اس کثرت کے
ساتھ تسلیم کرتے ہوں گے، مگر معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے اور اِس سے
اِنسانی اختلاف روی کی ایک عجیب و غریب مثال مہیا ہوتی ہے۔
اُس احتیاط سے جس سے کہ انگریز نقاد ایک سیاح کی صداقت کو جو کسی
دور دراز اور نسبتاً غیر اہم ملک کے حالات بیان کرتا ہے، جانچتے ہیں
کوئی شے سبقت نہیں لیجا سکتی۔ کیسی ہوشیاری کیساتھ وہ اہرام مصری کی
پیمایش یا کسی کھنڈر کے حالات کا مقابلہ کریں گے اور کیسی سختی کے ساتھ
وہ کسی غلطی پر جو محض عجیب و غریب باتوں کی واقفیت کے متعلق ہو ملامت

کریں گے حالانکہ وہ کیسے شوق اور بلا تامل یقین کیساتھ بھدّے اور گمنام مصنّفین کی محض خیالی باتوں کو اُس ملک کی نسبت پڑھتے ہیں جس سے کہ خود اُن کا ملک نہایت اہم اور نازک تعلقات سے وابستہ ہے۔ نہیں وہ اِن غیر یقینی جلدوں کو مستند کتابیں بنا دیں گے اور جن پر وہ اُس جوش اور قابلیت کے ساتھ اضافہ کریں گے جن کا اِس سے زیادہ فیاضی کے کام میں صرف کرنا بہتر ہوتا۔

لیکن میں اِس دِل اُکتانے والے اور پیش پا افتادہ مضمون پر زیادہ بحث نہیں کرونگا اور میں اُس مضمون کی طرف قطعی توجہ نہ کرتا اگر میرے ہموطن بیجا دلچسپی کا اظہار نہ کرتے یا یقینی مضر نتائج جن کے پیدا ہونیکا مجھکو خوف ہے قومی احساسات پر اثر نہ ڈالتے۔ ہم اِن حملوں کو ضرورت سے زیادہ اہم قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ ہم کو کوئی حقیقی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ غلط فہمیوں کا جال جو ہمارے گرد بُنا جاتا ہے اُس مکڑی کے جالے کی مانند ہے جو ایک دیو زاد کے اعضا کے گرد پورا جائے۔ ہمارا ملک اُس سے برابر باہر نکلتا جا رہا ہے۔ ایک غلط بیانی دوسری دروغ بیانی کے بعد خود بخود زائل ہوتی جا رہی ہے۔ ہم کو صرف زندہ رہنا چاہیئے اور رہر روز ہم تردید کی ایک مجلد کتاب پیش کر رہے ہیں انگلستان کے تمام مصنّفین یک زبان ہو کر، اگر ہم ایک لحظہ کے لئے یہ فرض بھی کر لیں کہ اُن کے عالی دماغ اپنے درجہ سے گر کر ایسے ایک فضول کام کے لئے

متفق ہو جائینگے، ہماری روز افزوں اہمیت اور بے نظیر مرفہ الحالی کو چھپا نہیں سکتے۔ وہ یہ بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکتے کہ یہ دونوں باتیں نہ صرف جسمانی اور مقامی بلکہ اخلاقی اسباب کے تابع ہیں یعنی سیاسی آزادی، علم کی عام اشاعت، عمدہ اخلاق اور مذہبی اصول کی پیروی جو ایک قوم کے مسلک کو طاقت اور استقلال بخشتی ہیں اور جو فی الواقع خود اُن کی قومی طاقت و عظمت کے مسلّمہ اور عجیب و غریب موئّد رہی ہیں۔

لیکن ہم انگلستان کی لعنت ملامت کا کیوں اسقدر خیال کرتے ہیں؟ ہم کیوں اُس توہین اور گستاخی سے متاثر ہوتے ہیں جن سے وہ ہمارے ساتھ پیش آنیکی کوشش کرتا ہے۔ صرف انگلستان ہی کی رائے پر یہ بات منحصر نہیں ہے کہ عزت و آبرو قائم رہے اور شہرت حاصل ہو۔ ایک قوم کی شہرت کا فیصلہ تمام دنیا کے ہاتھ میں ہے۔ اپنی ہزاروں آنکھوں سے وہ ایک قوم کے افعال و اعمال پر نظر ڈالتی ہے اور اُن سب کی مجموعی شہادت سے قومی عظمت یا قومی بے آبروئی قائم کی جاتی ہے۔

لہذا جہانتک ہم لوگوں کا تعلق ہے یہ امر نسبتاً بہت کم اہمیت رکھتا ہے کہ انگلستان ہمارے ساتھ انصاف کرتا ہے یا نہیں۔ غالباً یہ امر خود اُس کے لئے زیادہ اہم ہے۔ وہ ایک نوجوان قوم کے سینہ میں غیظ و غضب کی آگ مشتعل کر رہا ہے جو اُس کی نشو و نما کے ساتھ بڑھتی جائیگی اور اُس کی

طاقت کے ساتھ طاقتور ہوتی جائیگی۔ اگر امریکہ کو جیسا کہ انگلستان کے بعض لکھنے والے اسکو یقین دلانیکی کوشش کر رہے ہیں، وہ اِس کے بعد ایک قابلِ رشک رقیب اور ایک مہلک دشمن پائے تو اُس کو اپنے اُن مصنفین کا شکرگزار ہونا چاہیے جنہوں نے رقابت اور غصبناک دشمنی کا بیج بویا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ آج کل علم ادب کا کس قدر اثر پڑتا ہے اور بنی نوعِ انسان کے جذبات اور آراء اُس کے کس قدر تحت ہیں۔ تلوار کی لڑائیاں عارضی ہوتی ہیں، اُن کے زخم صرف گوشت پر لگتے ہیں اور فیاض طبع لوگ اِس کو فخر سمجھتے ہیں کہ وہ اُن کو بھول جائیں اور معاف کر دیں لیکن قلم کی طعن و تشنیع دل و جگر کو چھید ڈالتی ہیں۔ اچھے سے اچھے آدمیوں کے اندر بھی اُن کا وجود عرصہ تک قائم رہتا ہے، وہ دماغ میں ہمیشہ تر و تازہ رہتی ہیں اور مریض کی طرح نہایت حقیر تصادم پر اُن کا احساس ہوتا رہتا ہے۔ یہ صرف شاذ و نادر ہوتا ہے کہ کسی ظاہری فعل کی بنا پر دو قوموں کے درمیان مخاصمت قائم ہو، زیادہ تر وہی گزشتہ حسد اور بغض و عناد ہوتا ہے اور وہ رجحانِ طبیعت جو ناخوشگواری پیدا کرتا ہے۔ اِن باتوں کے اسباب دریافت کرو اور یہ بکثرت کرایہ پر لکھنے والوں کے مضر خیالات کا نتیجہ پائے جائینگے جو اپنے کمروں میں محفوظ، ذلیل طور پر روٹی کمانے کے لئے اُس زہر کو پیدا کرتے اور پھیلاتے ہیں جو فیاض اور بہادر اشخاص کو بھی مشتعل کر دیتا ہے۔ میں اس امر پر ضرورت سے زیادہ زور نہیں دے رہا ہوں کیونکہ یہ

یہ بات نہایت تابناک طریقہ سے ہماری خاص حالت پر صادق آتی ہے۔
مطبع کسی قوم پر امریکہ کے لوگوں کی نسبت زیادہ قابو نہیں رکھتا
کیونکہ غریب سے غریب طبقہ کی تعلیم نے ہر شخص کو پڑھنے والا بنا دیا ہے۔
انگلستان میں ہمارے ملک کے متعلق کوئی تحریر ایسی شایع نہیں
ہوتی جو ہمارے ملک کے ہر حصّہ میں نہ پہنچ جاتی ہو۔ انگریزی قلم
سے نہ کوئی ایسی ملامت ٹپکتی ہے اور نہ کوئی ایسا بیجا طنز کسی انگریز
مدبّر کی زبان سے نکلتا ہے جو خوشگواری کے حس کو ٹھنڈا نہیں کرتا
اور چھپے ہوئے غضب کے ڈھیر میں آگ نہیں لگاتا۔ پس انگلستان
اُس سرچشمہ کا مالک ہوتے ہوئے جس سے کہ اِس زبان کا ادب
جاری وساری ہے کس قدر کامل طور پر اُس پر قابض ہے اور
کس قدر صحیح طور پر اُس کا یہ فرض ہے کہ وہ اِس کو خوشگوار اور
شاندار احساس کا ذریعہ قرار دے ...... ایک دریا جہاں
دونوں قومیں ایک دوسرے سے مل سکیں اور مہربانی اور صلح
و آشتی کے گھونٹ پی سکیں۔ لیکن اگر وہ اِس کو تلخی کے سمندر
سے بدلنے پر مصر ہے تو ایک زمانہ آئیگا جب وہ اپنی اِس حماقت
پر افسوس کرے گا۔ امریکہ کی موجودہ دوستی، ممکن ہے، اُس
کے لئے آج کل کچھ اہمیت نہ رکھتی ہو لیکن اُس ملک کی آیندہ ترقی

میں کوئی شک نہیں۔ اور انگلستان کی آیندہ قسمت پر کچھ شک و شبہات کے بادل نظر آتے ہیں۔ پس اگر تاریکی کا دن آجائے۔ اگر وہ بدنصیبی پیش آجائے جس سے مغرور سے مغرور سلطنتیں مستثنیٰ نہیں رہیں۔ تو وہ افسوس کے ساتھ اپنی حماقت کو یاد کریگا اور اُس قوم کو اپنی بغل سے نکالنے پر جو اُس کے سینے سے چمٹ جاتی اور اِس طرح سے اپنے ممالک کی حدود سے باہر کی حقیقی دوستی کے موقع کو ہاتھ سے کھو بیٹھنے پر کفِ افسوس ملیگا۔

انگلستان میں یہ عام خیال ہے کہ ممالک متحدہ کے باشندے اُس ملک کے دشمن ہیں جہاں سے اُن کا نکاس ہے۔ یہ اُن غلطیوں میں سے ایک ہے جن کو سرگرمی کے ساتھ غرض مند مصنّفین نے پھیلایا ہے۔ بلاشبہ بیحد سیاسی رقابت موجود ہے اور انگریزی مطابع کی تنگ خیالی عام تلخی کا باعث ہے لیکن عام طور پر لوگوں کے خیالات انگلستان کے بیحد موافق ہیں، فی الواقع ایک زمانہ میں اتحادِ امریکہ کے اکثر حصّوں میں وہ تعصب کے لغو درجہ تک پہنچے ہوئے تھے۔ صرف انگریز کا نام ہر خاندان کے اعتماد پر اور مہمان نوازی کے لئے ایک پروانہ راہ داری تھا اور ناشکر گزار اور بیکار لوگوں نے بھی عارضی رواج سے فائدہ اٹھایا۔ تمام ملک میں انگلستان کے

خیال کے ساتھ ایک جوش بھرا ہوا تھا۔ ہم اُس کو محبت اور احترام کے خالی احساس کی نظر سے اپنے بزرگوں کا وطن سمجھتے تھے۔ اپنی نسل کے مقبروں اور قدیم یادگاروں کا متبرک مخزن۔ ہماری آبادی تاریخ کے سورماؤں اور دانشمندوں کا مقبرہ اور جائے پیدائش۔ ہمارے اپنے ملک کے بعد کوئی ایسا ملک نہ تھا جس کی شان وعظمت سے ہم زیادہ خوش ہوتے ہوں۔ کوئی ایسا ملک نہ تھا جس کی عمدہ رائے حاصل کرنے کا ہم کو بیحد خیال ہو۔ کوئی ایسا ملک نہ تھا جس کی طرف ہمارے دِل قرابت اور خون کے جوش سے ایسے مائل ہوں۔ گزشتہ لڑائی کے زمانہ میں بھی جہاں کہیں نرم احساسات کو پیدا ہونے کا کم سے کم موقع ملا ہمارے ملک کے فیاض دلوں کو اِس میں مسرت ہوئی کہ دشمنی کے زمانہ میں بھی وہ ظاہر کریں کہ اُن میں اتحاد و یگانگت کی چنگاریاں موجود ہیں۔

کیا اِن تمام باتوں کا خاتمہ ہونے کو ہے؟ کیا یہ سُنہری قرابتی ہمدردیوں کا رشتہ جو قوموں میں اِس قدر شاذ ہے ہمیشہ کے لئے ٹوٹنے والا ہے؟ غالباً یہ سب سے بہتر تھا۔ اِس سے اُس فریب کا خاتمہ ہو جائے گا جو ہم کو دماغی غلامی میں رکھتا، جو اکثر ہمارے

اصلی مفاد میں مخل ہوتا۔ اور صحیح قومی فخر و مباہات کے نشو و نما میں حائل ہوتا۔ لیکن نسلی رشتہ کو ترک کرنا مشکل ہے اور فائدہ سے زیادہ عزیز وہ احساسات ہیں۔ جو فخر و مباہات کی نسبت دل سے زیادہ قریب ہیں۔ اور جو ہمکو ایک نظرِ حسرت سے دیکھنے کے لئے مجبور کریں گے جبکہ ہم آبائی سقف کے نیچے سے زیادہ بعید ہوتے جائینگے اور اُس باپ کی ضد پر رنج و الم کرینگے جو اپنے بچّے کی محبتوں کو دور دور کرتا ہے۔

لیکن انگلستان کا طرزِ اِس شیوۂ دشنام دہی میں تنگ نظر اور ابلہانہ ہو ہماری طرف سے بھی اُس کا بدلہ لینا مساوی طور پر احمقانہ ہوگا میں اپنے ملک کے کسی فوری اور پر جوش بدلہ کا ذکر نہیں کرتا اور نہ مجھے اُس کے دشنام دہندوں کی تیزی سے تیز دل آزاری کا خیال ہے۔ لیکن میں اُس دماغی کیفیت کی طرف اشارہ کرتا ہوں جو اُسی طرح بدلہ لینے کو تیار رہو اور جو طعن کا بدلہ طعن سے دے اور تعصب پیدا کرے اور یہ ہمارے لکھنے والوں میں وسعت کے ساتھ ترقی پذیر ہے۔ ہمکو ایسے مزاج کی خاص طور پر نگہداشت کرنی چاہئے کیونکہ اِس سے دُگنی خرابی ہو جائیگی بجائے اِس کے کہ غلطی کا ازالہ ہو۔ کوئی شے اِسقدر آسان اور ترغیب دہ نہیں ہے جسقدر دشنام اور طنز کا جواب لیکن یہ بیکار اور فضول جھگڑا ہے۔ یہ دماغی خرابی کا دوسرا نام ہے جو

غیظ و غضب کی بجائے چڑچڑا پن پیدا کرتی ہے۔ اگر انگلستان تجارت کی کمینہ رقابتوں یا سیاسی نفرت انگیز دشمنی سے اپنے مطبع کو دیانت و صداقت سے محروم ہونے کی اجازت دیتا ہے اور رائے عامہ کے سرچشمہ کو زہر آلود بناتا ہے تو ہم کو اُس کی مثال سے احتراز کرنا چاہیے۔ وہ اپنا فائدہ غلطی کی اشاعت اور خصومت پیدا کرنے میں سمجھا کرے تاکہ ترک وطن پر لوگ آمادہ نہ ہوں لیکن ہمارا تو کوئی ایسا مقصد نہیں ہے۔ نہ ہم میں قومی حسد کی آگ بھڑک رہی ہے کیونکہ ابتک انگلستان کے خلاف تمام رقابتوں میں ہم ہی کامیاب اور فائدہ مند فریق رہے ہیں۔ لہذا دل کا بخار نکالنے کے سوا جو بدلہ لینے کی محض ایک خواہش ہے جواب کا کبھی خاتمہ نہیں ہو سکتا اور یہ امر بھی اہمیت رکھتا ہے کہ ہمارے جوابات انگلستان میں کبھی شائع نہیں ہوتے، پس وہ اپنے مقصد کی ادائیگی میں ناکام رہتے ہیں لیکن وہ ہمارے مصنفین میں جھگڑالو طبیعت اور چڑچڑا پن پیدا کرتے ہیں۔ وہ ہمارے ابتدائی علم ادب کی شیریں رفتاری کو تلخ بناتے ہیں اور اُس کی گلیوں میں جھاڑیاں اور کانٹے بوتے ہیں۔ اِس سے بڑھکر یہ بات ہے کہ وہ صرف ہمارے ہی ملک میں اشاعت پذیر ہیں اور جہانتک اُن کا دائرہ اثر ہے وہ زہریلے قومی تعصبات کو مشتعل

کرتے ہیں۔ یہ آخری خرابی ایسی ہے جس کا فوراً انسداد ہونا چاہئے چونکہ ہم رائے عامہ کے زیر فرمان ہیں، پس نہایت احتیاط برتنی چاہئے کہ پبلک کا دماغ صاف و شفاف رہے۔ علم طاقت ہے اور صداقت علم ہے لہذا جو شخص عمداً تعصب پھیلاتا ہے وہ جان بوجھکر اپنے ملک کی طاقت کی بنیاد کا خون چوستا ہے۔

سب آدمیوں سے بڑھکر ایک جمہوری سلطنت کے افراد کو متدین اور کسی جوش کے بغیر ہونا چاہئے۔ وہ انفرادی حیثیت سے قلب و دماغ اور رائے عامہ کے اجزا ہیں اور اُن کو قومی تعلقات کے جملہ مسائل کو خاموشی اور غیر متعصبانہ فیصلوں سے طے کرنا چاہئے۔ انگلستان سے ہمارے تعلقات ایک خاص قسم کے ہیں پس ایک مشکل اور نازک قسم کے سوالات بار بار پیش آتے ہیں جو کسی اور قوم کے ساتھ ہم کو پیش نہیں آتے۔ وہ مسائل جو نہایت سخت اور مشتعل کرنے والے احساسات پر اثر ڈالتے ہیں اور چونکہ ان کے درست کرنے میں ہمارے قومی پیمانے عام احساس کے لحاظ سے کلّی طور پر طے ہو جانے چاہئیں اور ہم کو تمام پوشیدہ جوش یا تعصب سے پاک و صاف ہونا چاہئے۔

جیسا کہ ہم زمین کے ہر حصّہ کے اجنبیوں کے واسطے محتاج خانے بناتے ہیں ہم کو چاہئے کہ ہم سب کو کسی تعصب کے بغیر خوش آمدید کہیں۔

کم از کم ہم کو ایسی ایک قوم کی مثال پیش کرنے پر فخر کرنا چاہئے جو قومی مخاصمتوں سے پاک ہو اور مہمان نوازی کے ظاہری افعال ہی سے نہیں بلکہ زیادہ شاذ و نادر اور شریفانہ اخلاق کو کام میں لانا چاہیے جو آزادی رائے سے پیدا ہوتا ہے۔

قومی تعصبات سے ہم کو کیا مطلب ہے؟ یہ قدیم ممالک کے امراضِ مزمنہ سے ہیں جو جاہلیت اور وحشت کے زمانہ میں وجود میں آئے تھے جب قومیں ایک دوسرے کا حال کچھ نہ جانتی تھیں اور اپنی حدود کے باہر دوسروں پر بے اعتباری اور خصومت سے نظر ڈالتی تھیں، برخلاف اس کے ہماری قومی زندگی ایک تابناک اور فلسفیانہ عہد میں وجود میں آئی ہے جبکہ آباد دنیا کے مختلف حصص اور انسانی خاندان کی مختلف شاخیں ان تھک کوشش کے ساتھ مطالعہ کی گئی ہیں اور ایک دوسرے کو بتا دی گئی ہیں اور ہم اپنے پیدائشی حقوق سے بھی محروم ہو جائینگے اگر ہم قدیم دنیا کے قومی تعصبات کو دور نہ کریں جیسا کہ ہم مقامی اوہام بے بنیاد ثابت کرتے ہیں

لیکن سب سے ضروری یہ امر ہے کہ ہم پر غیظ و غضب کے خیالات کا اثر نہ ہونا چاہیئے اور ہم کو انگریزی شعار میں جو بہترین اور قابل تعریف امور ہوں اُن سے اپنی آنکھیں بند نہ کرنی چاہئیں۔ ہم ایک نوجوان قوم ہیں۔ لازماً ہم دوسروں کی نقل کرتے ہیں۔ اور بڑی حد تک ہم اپنے نمونے

اور مثالیں یورپ کی موجودہ قوموں سے لیتے ہیں۔ ہمارے مطالعہ کی لئے کوئی ملک انگلستان سے زیادہ موزوں نہیں ہے۔ اُس کے مشروطہ کی روح ہمارے آئین حکومت سے نہایت مشابہ ہے وہاں کے لوگوں کے طریقے۔ اُن کی دماغی جد وجہد، اُن کی آزاد خیالی، اُن کی عادات اُن مضامین پر غور کرنے کی، جو نہایت عزیز فوائد اور نجی زندگی کی نہایت متبرک سخاوتوں سے تعلق رکھتے ہیں تمام امریکی شعار سے ملتے جلتے ہیں اور فی الواقع یہ تمام حقیقی عمدہ صفات ہیں کیونکہ برطانیہ کی مرفہ الحالی کی گہری بنیادیں وہاں کی لوگوں کے اخلاق پر رکھی گئی ہیں۔ اور اوپر کی عمارت کیسی ہی پُرانی یا بُرائیوں سے لبریز ہو لیکن کچھ نہ کچھ مضبوطی بنیادیں ہے اور سامان بھی قابل تعریف ہے اور عمارت کی ساخت استوار ہے جو اِسقدر عرصہ تک دنیا کے طوفانوں میں بغیر جنبش قائم رہی ہے۔

لہٰذا غصہ کے تمام خیالات کو دور کرکے اور برطانوی مصنفین کی تنگ خیالی کا بدلہ لینے کو حقارت سے دیکھتے ہوئے ہمارے مصنفین کا یہ فخر ہونا چاہیے کہ انگریزی قوم کا ذکر تعصب کی بغیر اور ٹلے شدہ دیانت کے ساتھ کریں۔ جبکہ وہ اُس بلا امتیاز تقلید کو ملامت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس سے ہمارے

بعض ہموطن ہر اُس چیز کی جو انگریزی ہے محض اِس خیال سے کہ یہ انگریزی ہے تعریف کرتے اور نقل کرتے ہیں اُن کو آزادی کے ساتھ ظاہر کرنا چاہیے کہ کیا چیز واقعی پسندیدگی کے قابل ہے۔ اِس طرح ہم کو انگلستان کو اپنے سامنے حوالہ کی ایک مستقل کتاب کی طرح رکھکر استعمال کرنا چاہیے جس میں سالہا سال کے تجربوں کے عمدہ نتائج درج ہیں اور جبکہ ہم اُن غلطیوں اور فضولیات سے اجتناب کریں جو کتاب کے صفحہ میں تحریر ہو گئی ہوں ہم کو اُس سے عملی دانشمندی کے سنہرے اصول اختیار کر لینے چاہئیں تاکہ اُن سے ہم اپنے قومی شعار کو مستحکم اور خوبصورت بنا سکیں۔

ختم شد



کتبہ عبد المقتدر

جلیسری